عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ

ختم نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN

جلد: ۳۲ ۔ ۲۴ تا ۳۰؍ جمادی الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۸ تا ۱۵؍ اپریل ۲۰۱۳ء ۔ شمارہ: ۱۴

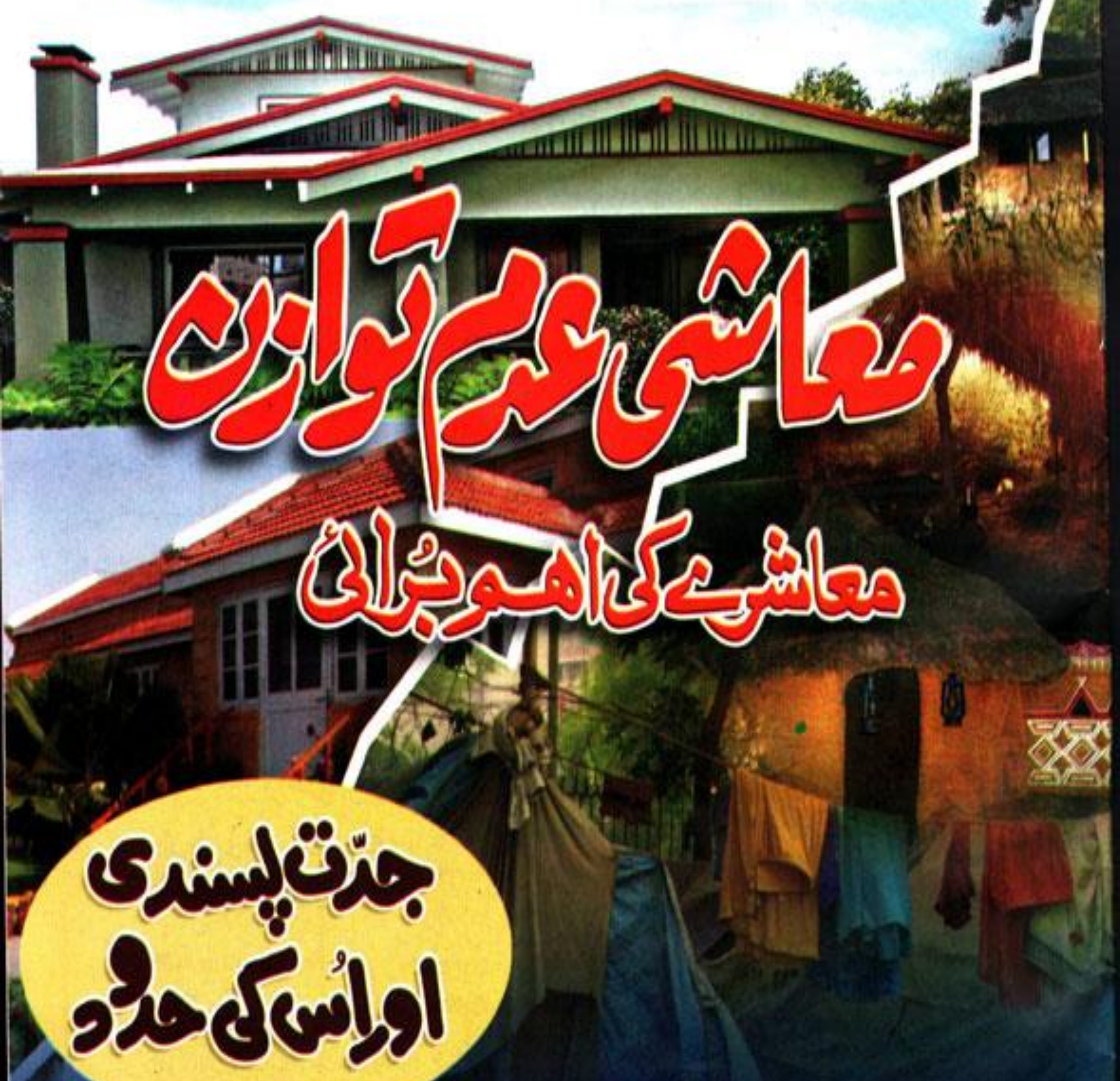

Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.com.pk
Email: editorkn@yahoo.com

Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.org
http://www.khatm-e-nubuwwat.com

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

بالوں کو سیاہ کلر کرنا

محمد اجمل، کراچی

س:...... کیا مرد و عورت کو بالوں میں کالا کلر کرنا جائز ہے؟ یا اس کے علاوہ دوسرے کلر مثلاً براؤن، گرے، گولڈن وغیرہ کرنا جائز ہے؟

ج:...... کالا کلر استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے، خواہ مرد ہو یا عورت۔ اس کے علاوہ دوسرے کلر استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

عورت کیلئے چہرے کے بال صاف کرنا

س:...... عورت کے لئے چہرے کے بال صاف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج:...... عورت کے لئے چہرے کے بال صاف کرنا جائز ہے اور اگر داڑھی مونچھ کے بال نکل آئیں تو ان کو صاف کرنا مستحب ہے۔ بھنویں بنوانا یا انہیں باریک کرنا جائز نہیں۔

مصنوعی بالوں کا استعمال

س:...... بازار میں مصنوعی بال ملتے ہیں مثلاً وگ وغیرہ بنی ہوئی ہوتی ہے، کیا عورتیں اپنے بالوں میں یہ لگا سکتی ہیں تاکہ بال بڑے معلوم ہوں؟

ج:...... اگر یہ بال انسان کے ہوں تو ان کو لگانا گناہ کبیرہ ہے، کیونکہ حدیث شریف میں لعنت وارد ہوئی ہے اور اگر کسی دوسری چیز سے بنے ہوئے ہوں یا کسی جانور کے ہوں تو جائز ہے۔

سر کے بالوں کا جوڑا باندھنا

س:...... کیا عورتیں سر کے بالوں کا جوڑا باندھ سکتی ہیں؟ جوڑا باندھنے کے مختلف طریقے ہیں۔ مثلاً سر کے سارے بال جمع کرکے سر پر درمیان میں جوڑا باندھنا، اسی طرح دائیں کونے یا بائیں کونے پر یا پیشانی کی طرف باندھنا اور ایک صورت یہ ہے کہ گردن کی طرف جھکا دینا، اس میں سے کون سی صورت درست ہے؟

ج:...... گردن کی طرف جوڑا باندھنا جائز ہے، باقی صورتیں جائز نہیں، کیونکہ حدیث شریف کی رو سے عورتوں کا بالوں کو جمع کرکے سر کے اوپر جوڑا باندھنا ناجائز ہے۔

مردوں کا عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا

س:...... اگر مرد کے بال بہت بڑے بڑے ہوں تو ان کو سنبھالنے کے لئے جوڑا باندھنا یا پونی باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج:...... مردوں کو عورتوں کی طرح لمبے بال رکھنا یا اسے جوڑا اور پونی باندھنا جائز نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں اور ایسی عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں، لعنت فرمائی ہے۔ مرد اگر بال بڑے رکھیں تو سنت کے مطابق رکھیں اور انہیں صاف ستھرا رکھیں۔ تیل اور کنگھا کا استعمال کریں تاکہ بال خوبصورت معلوم ہوں۔

مردوں کے لئے زیورات کا استعمال

س:...... آج کل نوجوانوں میں فیشن ہے کہ گلے میں چین، ہاتھوں میں بریسلیٹ اور انگلیوں میں مختلف نگوں والی انگوٹھیاں پہننا، کیا یہ اسلام میں جائز ہے؟

ج:...... مردوں کو زیورات کا استعمال کرنا جائز نہیں، سوائے چاندی کی انگوٹھی کے اور وہ بھی چار ماشہ سے زیادہ وزن کی نہ ہو، اس کے علاوہ دوسری چیزیں استعمال کرنا منع ہے، خواہ فیشن کے لئے ہوں یا کسی دوسری غرض سے ہوں، چاہے سونے چاندی کی اشیاء ہوں یا کسی دوسرے دھات کی اور مردوں کے لئے سونا حرام ہے۔

سلام کرتے وقت پیشانی پر ہاتھ رکھنا

س:...... سلام کرتے وقت پیشانی پر ہاتھ رکھنا کیسا ہے؟

ج:...... سلام کے وقت پیشانی پر ہاتھ رکھنا مسلمانوں کا طریقہ نہیں ہے، بلکہ ہندوؤں کا طریقہ ہے، اس لئے ایسا کرنا درست نہیں ہے۔

ہفت روزہ ختمِ نبوۃ

مجلس

مجلسِ ادارت

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
صاحبزادہ مولانا عزیز احمد
علامہ احمد میاں حمادی
مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی
مولانا قاضی احسان احمد

جلد: ۳۲ ۲۴ تا ۳۰ ؍جمادی الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۵ تا ۱۱ ؍اپریل ۲۰۱۳ء شمارہ: ۱۴

سرپرست

حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ
حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر مدظلہ

مدیرِ اعلیٰ

مولانا عزیز الرحمن جالندھری

نائب مدیرِ اعلیٰ

مولانا محمد اکرم طوفانی

مدیر

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

معاون مدیر

عبداللطیف طاہر

قانونی مشیر

حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ
منظور احمد میو ایڈووکیٹ

سرکولیشن منیجر

محمد انور رانا

تزئین و آرائش:

محمد ارشد خرم، محمد فیصل عرفان خان

اس شمارے میں!

ملامت، ندامت اور رسوائی!	۵	اداریہ
جدت پسندی اور اس کی حدود	۷	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
معاشی عدم توازن... معاشرہ کی اہم برائی	۱۰	محمد طاہر ملک
حضرت عباسؓ... فضائل و مناقب	۱۳	مولانا شیخ رحیم الدین ذکی
غیر مسلم شہری کے حقوق (۲)	۱۷	مولانا انیس الرحمن لدھیانوی
ناموس رسالت کی پامالی اور ہماری ذمہ داری (۲)	۲۰	مولانا محمد حذیفہ وستانوی
مجازی نبوت کا تار عنکبوت (۳)	۲۲	مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
مولوی فقیر محمد مرحوم	۲۶	احمد جمال نظامی

بیاد

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
ترجمان ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمنؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
حضرت مولانا سید انور حسین نفیس الحسینیؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ
شہید ختم نبوت حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ
شہید ناموس رسالت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ

زرِ تعاون بیرونِ ملک

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا: ۹۵ ڈالر، یورپ، افریقہ: ۷۵ ڈالر، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرق وسطی، ایشیائی ممالک: ۶۵ ڈالر

زرِ تعاون اندرونِ ملک

فی شمارہ ۱۰ روپے، ششماہی: ۲۲۵ روپے، سالانہ: ۴۵۰ روپے

چیک۔ڈرافٹ بنام ہفت روزہ ختم نبوت اکاؤنٹ نمبر 8-363 اور اکاؤنٹ نمبر 927-2 الائیڈ بینک بنوری ٹاؤن برانچ (کوڈ: 0159) کراچی پاکستان ارسال کریں۔

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
ایم اے جناح روڈ کراچی، فون: ۳۲۷۸۰۳۳۷ فیکس: ۳۲۷۸۰۳۴۰
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)
Old Numaish M.A.Jinnah Road Karachi
Ph:32780337, 34234476 Fax:32780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۰۶۱-۴۷۸۳۴۸۶، ۰۶۱-۴۵۸۳۴۸۶
Hazori Bagh Road Multan
Ph:061-4583486, 061-4783486

لندن آفس:
35,Stockwell Green
London, SW9 9HZ U.K
Ph:0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمن جالندھری مطبع: القادر پرنٹنگ پریس طابع: سید شاہد حسین مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

درسِ حدیث

قیامت کے حالات

مؤمن اور فاجر کی مثال

"حارث بن سوید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ہم سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو حدیثیں بیان فرمائیں، ایک اپنی طرف سے، اور دُوسری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: مؤمن اپنے گناہوں کو ایسا دیکھتا ہے گویا وہ پہاڑ کے دامن میں کھڑا ہے اور اسے اندیشہ ہے کہ وہ اس پر گر پڑے گا۔ اور فاجر اور بدکار آدمی اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے کہ گویا اس کی ناک پر مکھی بیٹھ گئی تھی، اور اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو اُڑ گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی توبہ پر اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو کسی ہولناک، لق و دق صحرا میں سفر کر رہا تھا، اس کے پاس سواری تھی جس پر اس کا توشہ، کھانا، پانی اور دیگر ضروریات لدی ہوئی تھیں، وہ سواری جنگل میں گم ہوگئی، وہ اس کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا، یہاں تک کہ موت اس کی آنکھوں کے سامنے آگئی، اس نے سوچا کہ جہاں میں نے سواری گم کی تھی اسی جگہ لوٹ جاؤں اور وہیں جاکر مروں، چنانچہ وہ اسی جگہ لوٹ آیا، وہاں آکر (لیٹ گیا اور) ذرا اس کی آنکھ لگ گئی، آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی سواری اس کے سر کے پاس موجود ہے، اور اس کا کھانا، پانی اور ساری ضروریات بھی موجود ہیں۔" (ترمذی، ج:۲، ص:۷۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں گناہ صادر ہونے کے بعد مؤمن اور فاجر کی قلبی کیفیت کو ذکر کیا گیا ہے کہ مؤمن تو اپنے گناہ سے ایسا ڈرتا ہے گویا اس پر پہاڑ گر پڑے گا، اس لئے فوراً توبہ و اِستغفار کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور اشکِ ندامت سے اس گناہ کی سیاہی دھونے کا اہتمام کرتا ہے۔ برعکس اس کے فاجر اور بدکار آدمی اپنے گناہ کو معمولی چیز سمجھتا ہے، گویا ناک پر مکھی بیٹھی تھی جسے ہاتھ کے معمولی اشارے سے اُڑا دیا۔ بسا اوقات جب آدمی مشغول ہوتا ہے تو اسے مکھی کے بیٹھنے اور ہاتھ سے اُڑانے کا دھیان بھی نہیں ہوتا، اسی طرح فاجر آدمی کو اپنے گناہوں کی طرف اِلتفات نہیں ہوتا، اور نہ ان کے تدارک کی فکر لاحق ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، شیخ ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ: مؤمن کے اپنے گناہوں سے خوف کا سبب یہ ہے کہ مؤمن کا قلب نورانی ہوتا ہے، جب اپنے نفس سے کسی ایسی چیز کو دیکھتا ہے جو اس کی نورانیتِ قلب کے خلاف ہو تو اسے وہ بہت سنگین بات معلوم ہوتی ہے۔ اور ہلاکت کے اسباب تو بہت ہوسکتے ہیں مگر ان میں سے پہاڑ گرنے کی تمثیل اس لئے بیان فرمائی کہ دُوسرے مہلکات سے بچنے کی تو کوئی صورت نکل سکتی ہے، مگر کوئی پہاڑ گر پڑے تو اس سے نجات عادۃً ممکن نہیں۔ حاصل یہ کہ ایمان و یقین کی قوت کی وجہ سے مؤمن پر خوف غالب ہوتا ہے، اس لئے وہ گناہوں کی سزا سے بےخوف نہیں ہوتا، اور یہی مسلمان کی شان ہے کہ وہ ہمیشہ ڈرتا رہے، اپنے نفس کا مراقبہ کرتا رہے، اپنے نیک عمل کو چھوٹا اور معمولی سمجھے اور چھوٹے سے چھوٹے بُرے عمل سے بھی ڈرتا رہے۔

اور فاجر کی بےخوفی کا سبب یہ ہے کہ فاجر کا قلب تاریک ہوتا ہے، اس لئے گناہوں کا سرزد ہونا اس کے نزدیک معمولی بات ہے، یہی وجہ ہے کہ جو شخص معاصی کا ارتکاب کرتا ہے جب اس کو وعظ و نصیحت کی جائے تو کہتا ہے کہ: "یہ تو معمولی بات ہے!" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مؤمن کا اپنے گناہوں سے کم ڈرنا اور گناہوں کو ہلکی پھلکی چیز سمجھنا اس کے فجور کی دلیل ہے۔

محب طبری فرماتے ہیں کہ: مؤمن کی یہ کیفیت اس لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اور اس کی سزا

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

سے شدید خوف رکھتا ہے، کیونکہ اسے اپنے گناہ کا تو یقین ہے، اور یہ یقین نہیں کہ گناہ معاف کیا جاچکا ہے یا نہیں؟ اور مغفرت ہوگی یا نہیں؟ اور فاجر آدمی اللہ تعالیٰ کی معرفت کم رکھتا ہے، اس لئے اسے خوف بھی کم ہوتا ہے، اور معصیت کو بھی معمولی چیز سمجھتا ہے۔

(فتح الباری، کتاب الدعوات، باب التوبہ)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث بیان فرمائی ہے، اس میں بندے کی توبہ پر اللہ تعالیٰ کی خوشی کو ایک تمثیل کے انداز میں بیان فرمایا ہے، ایک ایسا شخص جو موت کے منہ میں جاچکا تھا، اور زندگی سے یکسر مایوس ہوچکا تھا، یکایک اس کی سواری اور کھانے پینے کا سامان مل جانے سے اسے گویا نئی زندگی نصیب ہوگئی، ایسی حالت میں اس کی فرحت و مسرت کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟ بندہ گناہ کا اِرتکاب کرکے شیطان درندے کے چنگل میں پھنس جاتا ہے، جو اس کو اَبدی موت کے گھاٹ اُتارنا چاہتا ہے، توبہ کرنے کے بعد اسے شیطان کے چنگل سے رہائی مل جاتی ہے اور وہ رحمتِ اِلٰہی کے سائے میں آجاتا ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ شانہٗ کو بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی بڑھ کر خوشی ہوتی ہے جو زندگی سے یکسر مایوس ہوجانے کے بعد دوبارہ زندگی سے ہم کنار ہوا۔

صحیح مسلم (ج:۲، ص:۳۵۵) میں بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہی تمثیل بیان فرمائی گئی ہے، اور اس کے آخر میں ہے کہ: جب اس شخص نے اُٹھ کر اپنی سواری دیکھی تو شدتِ مسرت سے کہنے لگا:

"اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَاَنَا رَبُّکَ!"

ترجمہ:... "اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اَخْطَأَ مِنْ شِدَّۃِ الْفَرَحِ۔"

ترجمہ:... "مسرت کی وجہ سے بےچارہ چوک گیا۔" ☆☆☆

اداریہ

ملامت، ندامت اور رسوائی!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’عن أبی أمامة عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أنه قال: مامن رجل یلی أمر عشرة فما فوق ذلک إلا أتاہ اللّٰہ عزوجل مغلولاً یوم القیامة یدہ إلی عنقه فکّه برہ أو أوبقه إثمه، أولها ملامة واوسطها ندامة وآخرها خزی یوم القیامة۔‘‘ (مسند احمد، مشکوٰۃ ص:۳۲۳)

ترجمہ: ’’حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص دس یا دس سے زیادہ آدمیوں پر بھی حاکم بنا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی حالت میں پیش ہوگا کہ اس کے ہاتھ گردن میں بندھے ہوئے ہوں گے، پھر یا تو اس کی نیکی اور اس کا عدل اسے رہائی دلا دے گا یا اس کا گناہ اور جرم اسے ہلاک کردے گا، حکومت کا ابتدائی حصہ ملامت ہے، درمیانہ حصہ ندامت ہے اور اس کا آخری حصہ (انجام) قیامت کے دن کی ذلت ورسوائی ہے۔‘‘

اس حدیث پاک میں اچھے اور بُرے حاکموں کے اس انجام کو بیان فرمایا گیا ہے جو عام انسانوں کی نظر سے اوجھل ہے اور جسے نورِ نبوت ہی سے دیکھا جاسکتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت پر یہ بے حد احسان ہے کہ انہیں تمام اچھے، بُرے اعمال کی خاصیت اور ان کے انجام سے آگاہ فرمایا ہے۔

جس طرح ہر وہ شخص جس پر کسی جرم کے ارتکاب کا الزام ہو پولیس اسے گرفتار کرکے عدالت کے کٹہرے میں لاکھڑا کرتی ہے اور یہ عدالت کا کام ہوتا ہے کہ اس کے کیس کی تفتیش کرکے یہ دیکھے کہ آیا وہ واقعتاً مجرم ہے یا نہیں؟ اگر جرم ثابت ہوجاتا ہے تو عدالت اسے جرم کی نوعیت کے مطابق سزا سنادیتی ہے اور اگر وہ بے قصور ثابت ہوتا ہے تو اسے باعزت طور پر بری کردیتی ہے، اسی طرح تمام حکام کا مقدمہ عدالت خداوندی میں پیش ہوگا، اگر انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں کوئی بدعنوانی کی ہوگی، کسی بُرائی کا ارتکاب کیا ہوگا، کسی پر ظلم وزیادتی کی ہوگی، رعایا کے حقوق ادا کرنے میں کسی تساہل یا غفلت سے کام لیا ہوگا، اگر اپنے منصب کا ناجائز استعمال کیا ہوگا تو اس پر فردِ جرم عائد کردی جائے گی اور برسرِ عام اس کی سزا کا اعلان ہوجائے گا۔ یہ ایسی ذلت ورسوائی ہوگی جس کا کوئی تدارک نہیں ہوسکے گا اور اگر اس کا دامن ہر قسم کی بُرائی سے پاک ہوا تو اسے عزت وتکریم کے ساتھ بری کردیا جائے گا۔

اور پھر دنیا کی عدالت سے تو آدمی جھوٹ بول کر چھوٹ سکتا ہے، ریکارڈ خورد برد کراسکتا ہے، کسی کو وکیل بناسکتا ہے، کوئی سفارش یا ضمانت پیش کرسکتا ہے، وہاں یہ ساری چیزیں بے کار ہوں گی، اعمال نامہ کے دفتر کھلے ہوں گے، گواہی کے لئے آدمی کے ہاتھ پاؤں موجود ہوں گے، نہ کوئی چیز چھپائی جاسکے گی، نہ کوئی وکالت یا ضمانت میسر ہوگی، کیا خوفناک منظر ہوگا، کیسی رسواکن ذلت ہوگی؟ یہ ہے وہ بدترین انجام جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو

ڈرارہے ہیں۔

حاکم اگر نیک اور عادل ہوں تو ان کا مرتبہ بھی بہت اونچا ہے اور اگر ظالم وبدکردار ہوں تو ان کا انجام بھی بڑا ہی عبرتناک ہے، ایک حدیث میں ہے کہ:

’إن افضل عباد اللّٰہ عند اللّٰہ منزلۃ یوم القیامۃ إمام عادل رقیق، وإن شر الناس عند اللّٰہ منزلۃ یوم القیامۃ إمام جائر خرق۔‘‘ (مشکوٰۃ،ص:۳۲۳)

ترجمہ:’’قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سب سے افضل مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس حاکم کا ہے جو عادل اور نرم دل ہو اور سب سے بدتر درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس حاکم کا ہوگا جو ظالم اور سنگ دل ہو۔‘‘

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا:

’’أتدرون من السابقون إلی ظل اللّٰہ عزوجل یوم القیامۃ؟ قالوا: اللّٰہ ورسولہ أعلم! قال: الذین إذا أعطوا الحق قبلوہ وإذا سئلوہ بذلوہ وحکموا الناس کحکمھم لأنفسھم۔‘‘ (مشکوٰۃ،ص:۳۲۲)

ترجمہ:’’جانتے ہو کون لوگ قیامت کے دن عرش الٰہی کے سائے میں سب سے پہلے جائیں گے؟ صحابہؓ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی بہتر جانتے ہیں، فرمایا: وہ لوگ کہ جب حق ان کے سامنے پیش کیا جائے تو اسے قبول کرلیں، جب حق ان سے مانگا جائے تو بخوشی ادا کردیں، اور جب لوگوں کے حق میں فیصلہ کریں تو ایسا کریں جیسا خود اپنی ذات کے بارے میں کرتے ہیں۔‘‘

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’ثلثۃ أخاف علی أمتی الاستسقاء بالأنواء وحیف السلطان وتکذیب بالقدر۔‘‘ (مشکوٰۃ:۳۲۲)

ترجمہ:’’مجھے اپنی امت کے بارے میں تین باتوں کا اندیشہ ہے: (۱) ستاروں کے ذریعہ بارش طلب کرنا، (۲) اہل حکومت کا ظلم، (۳) تقدیر کو جھٹلانا۔‘‘

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

’’إنک إذا أتبعت عورات الناس أفسدتھم۔‘‘ (مشکوٰۃ:۳۲۲)

ترجمہ:’’حاکم جب لوگوں کے عیوب تلاش کرنا شروع کردے تو ان کو بگاڑ کر رکھ دے گا۔‘‘

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کی اصل حقیقت تین لفظوں میں بیان فرمادی: ’’ملامت، ندامت، رسوائی‘‘ کہ آدمی جب تک برسر اقتدار رہے ملامت کا نشانہ بنا رہتا ہے، بالآخر ایک وقت آتا ہے کہ اسے خود ندامت ہوتی ہے کہ میں نے مسند اقتدار پر قدم کیوں رکھا تھا؟ اور قیامت کے دن جب اس کے اقتدار کا محاسبہ سب سے بڑی ہستی کی بارگاہ عالی میں پیش ہوگا تو اسے سو ذلتوں اور رسوائیوں کا سامنا ہوگا، تب پتہ چلے گا کہ جس اقتدار کے نشہ میں بدمست ہوکر ظلم ڈھاتا اور بدعنوانیاں کرتا تھا، جس اقتدار کی وجہ سے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے تھے اور جس کی خوشی میں پھولا نہیں سماتا تھا، انسانوں کو انسان نہیں بھیڑ بکریاں سمجھتا تھا، یہ اقتدار عزت کا ذریعہ نہیں بلکہ ذلت کا سامان تھا، بڑائی کا زینہ نہیں بلکہ رسوائی وپستی کا گڑھا تھا، اے کاش! اس انجام کے پیش آنے سے پہلے آنکھیں کھل جائیں۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین

اسلامی معاشرہ میں

جدت پسندی اور اس کی حدود!

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

”جدت پسندی“ بذات خود ایک مستحسن جذبہ اور انسان کی ایک فطری خواہش ہے، اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو انسان پتھر کے زمانے سے ایٹم کے دور تک نہ پہنچتا، اونٹوں اور بیل گاڑیوں سے طیاروں اور خلائی جہازوں تک رسائی حاصل نہ کرتا، موم کی شمعوں اور مٹی کے چراغوں سے بجلی کے قمقموں اور سرچ لائٹوں تک ترقی نہ کرسکتا۔ انسان کی یہ رسائی، مادی ترقیاں اور سائنٹفک فتوحات جنہوں نے ایک طرف چاند تاروں پر کمندیں ڈال رکھی ہیں تو دوسری طرف سمندر کی تہہ میں اپنے ڈول پہنچائے ہوئے ہیں، اگر دیکھا جائے تو انسان کے اسی جذبہ کی رہین منت ہیں کہ وہ ”جدت پسند“ اور ”خوب“ سے ”خوب تر“ کا حریص ہے۔

چنانچہ اسلام نے جو ایک فطری دین ہے، کسی ”جدت“ پر بحیثیت ”جدت“ کے کوئی پابندی عائد نہیں کی، بلکہ بسا اوقات اسے مستحسن قرار دیا ہے اور اس کی ہمت افزائی کی ہے۔

خاص طور سے صنعت وحرفت اور فنون جنگ وغیرہ کے بارے میں نئے نئے طریقوں کا استعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر جب قبائل عرب نے اکٹھے ہوکر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کا پروگرام بنایا تو ان کے دفاع کے لئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک نئی تدبیر بتائی جس پر عرب میں اس سے پہلے عمل نہیں ہوا تھا اور وہ تدبیر یہ تھی کہ شہر کے اطراف میں ایک گہری خندق کھودی جائے۔ چنانچہ آپؐ نے اس تدبیر کو پسند فرماکر اس پر عمل کیا اور خود بھی خندق کی کھدائی میں شریک رہے۔ (البدایہ والنہایہ ۴:۹۵)

انہی حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے غزوۂ طائف کے موقع پر آپؐ نے دو نئے آلات حرب استعمال فرمائے جو بعض روایات کے مطابق حضرت سلمانؓ نے خود اپنے ہاتھ سے بنائے تھے، ان میں ایک منجنیق تھی، جسے اس زمانے کی توپ کہنا چاہئے اور دو دبابے تھے، جنہیں اس دور کے ٹینک کہا جاسکتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۴:۳۴۸)

پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ حافظ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے دو صحابیوں حضرت عروہ بن مسعودؓ اور حضرت غیلان بن سلمہ کو باقاعدہ شام کے شہر جرش بھیجا، تاکہ وہ وہاں سے دبابے، منجنیق اور ضبور کی صنعت سیکھ کر آئیں، جرش شام کا مشہور صنعتی شہر تھا اور ضبور، دبابے ہی کی طرح کا ایک آلہ تھا، جسے اہل روم جنگوں میں استعمال کرتے تھے، چنانچہ یہ دونوں صحابی غزوہ حنین اور غزوۂ طائف میں اسی لئے شریک نہ ہوسکے کہ وہ ان دنوں شام میں یہ صنعت سیکھ رہے تھے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۲، ص:۲۲۱، تاریخ طبری، ص۱۶۹، البدایہ والنہایہ، ج:۴، ص:۳۴۵)

حافظ ابن جریرؒ نقل کرتے ہیں کہ زراعت کی ترقی کے لئے آپؐ نے اہل مدینہ کو زیادہ سے زیادہ کاشت کرنے کا حکم دیا اور پیداوار بڑھانے کے لئے یہ تدبیر بتائی کہ کھیتوں میں اونٹوں کی کھوپڑیاں استعمال کیا کریں۔ (کنز العمال، ج:۴، ص:۱۳۱۹، انواع الکسب)

ایک حدیث میں ہے کہ تجارت کی ترقی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ: کپڑے کی تجارت کرو، کیونکہ کپڑے کا تاجر یہ چاہتا ہے کہ لوگ خوشحال اور فارغ البال رہیں۔ (کنز العمال، ج:۲، ص:۱۹۹، بیوع، انواع الکسب)

نیز آپؐ نے متعدد لوگوں کو تجارت کے لئے عمان اور مصر جانے پر آمادہ فرمایا۔ (کنز العمال، ج:۲، ص:۱۹۷)

زراعت اور معدنیات سے فائدہ اٹھانے کے لئے آپؐ نے ارشاد فرمایا: ”اطلبوا الرزق فی خبایا الارض“ یعنی: زمین کی پوشیدہ نعمتوں میں رزق تلاش کرو۔ (کنز العمال، ص:۲، ص:۱۹۷)

عرب کے لوگ بحری بیڑے سے ناآشنا تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرت کے ساتھ پیشینگوئی فرمائی کہ: میری امت کے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے سمندری موجوں پر اس طرح سفر کریں گے، جیسے تخت نشین بادشاہ۔ (صحیح بخاری، کتاب الجہاد)

اور پھر مسلمانوں کی پہلی بحریہ کے بڑے فضائل بیان فرمائے، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پہلا بحری بیڑا تیار کیا اور اس سے مسلمانوں کی تگ وتاز قبرص، روڈس، کریٹ، اور صقلیہ تک پہنچ گئی۔ یہاں تک پورا بحیرۂ روم ان کے لئے مسخر ہوگیا، جس کی طرف اقبال مرحوم نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ:

تھا یہاں ہنگامہ اُن صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جس کے سفینوں کا کبھی

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ۸-ہجری میں لخم اور جذام کے خلاف جنگ ذات السلاسل کے دوران پہلی بار بلیک آؤٹ کا طریقہ اختیار فرمایا اور اپنی فوج کو حکم دیا کہ لشکر گاہ میں تین روز تک رات کے وقت کسی طرح کی روشنی نہ کریں اور نہ آگ جلائیں، جب لشکر مدینہ طیبہ پہنچا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے اس عمل کی وجہ دریافت فرمائی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! میرے لشکر کی تعداد دشمن کے مقابلہ میں کم تھی، اس لئے میں نے رات کو روشنی کرنے سے منع کیا کہ مبادا دشمن ان کی قلت تعداد کا اندازہ لگا کر شیر نہ ہو جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگی تدبیر کو پسند فرما کر اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ (جمع الفوائد، ج:۲، ص:۲۷)

غرض یہ عہد رسالت کی چند متفرق مثالیں تھیں جو سرسری طور سے یاد آ گئیں، مقصد یہ تھا کہ اسلام نے کسی جدید اقدام پر جدید ہونے کی حیثیت سے کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ صحیح مقاصد کے لئے صحیح حدود میں رہ کر جدت پسندی کی ہمت افزائی کی ہے۔

....

لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ جس طرح جدت پسندی نے انسان کو مادی ترقی کے بام عروج تک پہنچایا ہے، اسے نئی نئی ایجادات عطا کی ہیں اور راحت و آسائش کے بہتر طریقے مہیا کئے ہیں، اسی طرح اس نے انسان کو بہت سے نفسانی امراض میں بھی مبتلا کیا ہے اور بہت سے تباہ کن نقصانات بھی پہنچائے ہیں۔ اسی جدت پسندی کے بدولت انسان کی تاریخ فرعونوں اور شدادوں سے بھری ہوئی ہے جنہیں طاقت و اقتدار کی کسی حد پر قرار نصیب نہیں ہوا، بلکہ وہ اقتدار کے شوق میں حکومت اور بادشاہی سے گزر کر خدائی کے دعویدار بن بیٹھے، اسی جدت پسندی نے "ہٹلر" اور "مسولینی" کو بھی جنم دیا، جن کی ہوس ملک گیری ہر روز ایک نئے خطۂ زمین کا اقتدار چاہتی تھی، اسی جدت پسندی نے آج پوری دنیا میں عریانی و فحاشی کا طوفان بپا کر رکھا ہے اور باہمی رضامندی سے زنا کو سند جواز دے رکھی ہے، بلکہ اب تو برطانیہ کے دارالعلوم سے تالیوں کی گونج میں ہم جنس پرستی کے جواز کا بل بھی منظور کرا لیا ہے، یہی جدت پسندی ہے جس کے سائے میں مغربی عورتیں اسقاط حمل کے جواز کا مطالبہ کرنے کے لئے برسر عام بینر اٹھائے پھر رہی ہیں اور یہی جدت پسندی ہے جسے بطور دلیل استعمال کر کے محرم عورتوں سے شادی رچانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ "جدت پسندی" ایک دو دھاری تلوار ہے جو انسانیت کو فائدہ پہنچانے کے کام بھی آ سکتی ہے اور اس کا کام تمام بھی کر سکتی ہے۔ لہٰذا ایک جدید چیز نہ محض نئی ہونے کی بنا پر قبول ہے اور نہ محض نئی ہونے کی بنا پر قابل تردید، یہاں تک تو بات صاف ہے لیکن آگے سب سے اہم سوال یہ ہے کہ وہ کیا معیار ہے، جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ فلاں جدت مفید اور قابل قبول ہے اور فلاں مضر اور ناقابل قبول:

اس معیار کی تعیین کے لئے ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ کام خالص عقل کے حوالے کیا جائے، چنانچہ سیکولر معاشروں میں یہ فیصلہ عقل ہی کے پاس ہوتا ہے، لیکن اس میں دشواری یہ ہے کہ جن جن لوگوں نے "جدت پسندی" کے نام پر انسانیت سے اخلاق و شرافت کے سارے اوصاف لوٹ کر اسے حیوانیت اور درندگی کے راستے پر ڈالا وہ سب عقل و دانش کے دعویدار تھے اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس نے عقل خالص کو اپنا رہنما نہ بنایا ہو، وجہ یہ ہے کہ وحی الٰہی کی رہنمائی سے آزاد ہونے کے بعد "عقل" کی مثال ایک ایسے ہرجائی محبوب کی سی ہوتی ہے جسے متضاد قسم کے عناصر بیک وقت اپنا سمجھتے ہیں اور درحقیقت وہ کسی کا نہیں ہوتا، چنانچہ ایسی "عقل" میں ہر بُرے سے بُرے نظریئے اور بُرے سے بُرے عمل کی بھی شاندار اور خوبصورت توجیہات مل جاتی ہیں۔ مثلاً "ہیروشیما" اور "ناگاساکی" کا نام سن کر انسانیت کی پیشانی آج بھی عرق عرق ہو جاتی ہے، لیکن انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جیسی علمی اور عالمی کتاب میں ان تباہ کاریوں کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے جو ایٹم بم کی بدولت ہیروشیما اور ناگاساکی میں برپا ہوئیں، لیکن ایٹم بم کے تعارف میں یہ جملہ سب سے پہلے لکھا ہے کہ:

"Former prime Minister Winston Churchill estimated that by shortening the war, the atomic bomb had saved the lives of 100,000 U.S. soldiers & 250,000 British soldiers"

(برٹانیکا، ج:۲، ص:۶۷۲، ۱۹۶۲ء مطبوعہ ۱۹۵۰ء مقالہ: ایٹم بم)

یعنی: "سابق وزیر اعظم ونسٹن چرچل نے اندازہ لگایا ہے کہ ایٹم بم نے جنگ کو مختصر کر کے دس لاکھ امریکی سپاہیوں اور ڈھائی لاکھ برطانوی سپاہیوں کی جانیں بچالی ہیں۔"

اندازہ لگایئے کہ اس قسم کی منطق کی روشنی میں کون سا ظلم و ستم اور کون سی سفاکی ایسی ہے جسے عقل کے خلاف کہا جا سکے؟

اس طرح کی عقلی توجیہات کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، یہاں میں شرم و حیا سے معذرت کے ساتھ ایک مثال اور پیش کروں گا جس کی روشنی میں عقل خالص کی صحیح پوزیشن اچھی طرح واضح ہو سکتی ہے۔ تاریخ اسلام میں ایک فرقہ "باطنیہ" کے نام سے گزرا ہے، اس کا ایک مشہور لیڈر عبید اللہ القیروانی اپنے ایک مکتوب میں لکھتا ہے:

"وما العجب من شئی کالعجب

من رجل یدعی العقل ثم یکون له اخت او بنت حسناء، ولیست له زوجة فی حسنها فیحرمها علی نفسه وینکحها من اجنبی ولو عقل الجاهل لعلم انه احق باخته وبنته من الاجنبی، وما وجه ذلک الا ان صاحبهم حرم علیهما الطیبات....الخ.'' (الفرق بین الفرق لعبدالقاہر البغدادی ص:۲۹۷ طبع مصر)

یعنی: ''اس سے زیادہ تعجب کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ ایک شخص عقل کا دعویدار ہونے کے باوجود ایسی حماقتیں کرتا ہے کہ اس کے پاس نہایت خوبصورت بہن یا بیٹی موجود ہوتی ہے اور خود اس کی بیوی اتنی حسین نہیں ہوتی، مگر وہ اس خوبصورت بہن یا بیٹی کو اپنے اوپر حرام قرار دے کر اسے کسی اجنبی سے بیاہ دیتا ہے۔ حالانکہ ان جاہلوں کو اگر عقل ہوتی تو وہ یہ سمجھتے کہ ایک اجنبی شخص کے مقابلے میں اپنی بہن اور بیٹی کے وہ خود زیادہ حق دار ہیں، اس بے عقلی کی وجہ دراصل صرف یہ ہے کہ ان کے آقا نے ان پر عمدہ چیزوں کو حرام کردیا ہے۔''

اس گھناؤنی عبارت کی شناعت و خباثت پر جتنی چاہے لعنت بھیجتے رہیے، لیکن دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ جو عقل وحی الٰہی کی رہنمائی سے آزاد ہو، اس کے پاس اس دلیل کا کوئی خالص عقلی جواب ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ایک آزاد اور لبرل عقل کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے، چنانچہ صدیوں کے بعد عبیداللہ قیروانی کا یہ خواب اب شرمندۂ تعبیر ہو رہا ہے اور بعض مغربی ممالک میں بہن سے شادی کرنے کی آوازیں اٹھنے لگی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ''جدت پسندی'' کی رو میں اگر اچھے بُرے کا فیصلہ خالص عقل پر چھوڑا جائے تو ایک طرف اس سے زندگی کی کوئی قدر صحیح سالم نہیں رہتی اور دوسری طرف چونکہ ہر شخص کی عقل دوسرے سے مختلف ہے، اس لئے انسان متضاد آرا اور نظریات کی ایسی بھول بھلیاں میں پھنس جاتا ہے جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو عقل وحی الٰہی کی رہنمائی سے آزاد ہو، انسان اسے آزاد عقل سمجھتا ہے لیکن درحقیقت وہ اس کی بیجی خواہشات اور نفسانی اغراض کی غلام بن جاتی ہے جو عقل کی غلامی کی بدترین شکل ہے، اسی لئے قرآن کریم کی اصطلاح میں ایسی عقل کا نام ''ھویٰ'' (خواہش نفس) ہے اور اسی کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

''ولو اتبع الحق اھواء ھم لفسدت السموٰت والارض ومن فیھن.''

ترجمہ: ''اور اگر حق ان لوگوں کی خواہشات کا تابع ہوجائے تو آسمان وزمین اور ان کی مخلوقات میں سخت بگاڑ پیدا ہوجائے۔''

فلسفۂ قانون کی بحث میں فلاسفہ کے ایک گروہ کا تذکرہ آتا ہے جن کے نظریۂ اخلاق کو "Non-cognitvist Theory" کہا جاتا ہے، مشہور ماہر قانون ڈاکٹر فرائڈمین نے اس نظریہ کا خلاصہ اپنی کتاب "Legal Theory" میں اس طرح بیان کیا ہے:

"Reason is and ought only to be the slave of the passions and can never pretend to any other office than to serve and obey them." (P:36)

یعنی: ''عقل صرف انسانی جذبات و خواہشات کی غلام ہے، اور اس کو انہی کا غلام ہونا چاہئے، عقل کا اس کے سوا کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ان جذبات کی بندگی اور ان کی اطاعت کرے۔''

اس نظریہ سے حاصل ہونے والا نتیجہ ڈاکٹر فرائڈمین کے الفاظ میں یہ ہے:

"Every thing else...but also words like "good", "bad", "Ought", "worthy", are purely emotive, and there cannot be such a thing as ethecal or moral science. (P.P 36,37)

یعنی: ''اس کے سوا ہر چیز یہاں تک کہ اچھے بُرے کے تصورات اور یہ الفاظ کہ فلاں کام ہونا چاہئے اور فلاں کام ہونے کے لائق ہے۔ کلی طور پر جذباتی باتیں ہیں اور دنیا میں علم اخلاق نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔''

یہ نظریہ فلسفۂ قانون کی بنیاد بننے کے لئے خواہ کتنا غلط اور بُرا ہو، لیکن ایک سیکولر عقلیت کی بڑی سچی اور حقیقت پسندانہ تفسیر ہے، واقعہ یہی ہے کہ سیکولر عقل کی پیروی کا لازمی نتیجہ اس کے سوا ہو ہی نہیں سکتا کہ دنیا میں اخلاق نام کی کسی چیز کا وجود باقی نہ رہے، اور انسان کے قول و فعل پر اس کے نفسانی جذبات کے سوا کسی چیز کی حکمرانی قائم نہ ہو، سیکولر عقلیت اور ''اخلاق'' درحقیقت جمع ہو ہی نہیں سکتے، کیونکہ ''جدت پسندی'' کی رو میں ایک مرحلہ ایسا آجاتا ہے، جب انسان کا ضمیر ایک عمل کو بُرا سمجھتا ہے، لیکن وہ اسے اختیار کرنے پر اس لئے مجبور ہوتا ہے کہ ''جدت پسندی'' اور سیکولر عقلیت کے پاس اسے رد کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔

(جاری ہے)

معاشی عدمِ توازن.... معاشرہ کی اہم بُرائی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی نظر میں!

محمد طاہر ملک

معاشرتی زندگی انسان کے لئے ناگزیر ہے، خواہ اس کی بنیاد انسان کا فطرتاً مدنی الطبع ہونا مانا جائے یا یہ مانا جائے کہ انسان اپنی قوت نزوعیہ کے باعث جھگڑالو ہے، لیکن قوت ناطقہ اسے اپنی اس طبیعت پر قابو پانے کے لئے راہ ہموار کر دیتی ہے اور باہمی فوائد کے پیش نظر آپس کے جھگڑوں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے، بہرحال معاشرہ کے قیام کے لئے لوگوں کا اشتراک عمل ضروری ہے جس کے لئے چند اصول وضع کئے جاتے ہیں، جن میں مرکزیت، اجتماعی "عدل و توازن" کو حاصل ہے۔ یہ عدل وتوازن جب تک قائم رہتا ہے، معاشرہ صحیح خطوط پر کام کرتا ہے، لیکن جونہی عدل وتوازن کا معیار گرتا ہے، معاشرہ روبہ زوال ہو جاتا ہے اور اگر اس کی بروقت اصلاح نہ کی جائے تو معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ایسے بہت سے انسانی معاشروں کا ذکر ہے جو صفحۂ ہستی سے اس طرح ختم ہوگئے کہ اب ان کا نام ہی باقی رہ گیا ہے اور ان کی تباہی صرف اس بنا پر ہوئی کہ اس کے افراد نے "عدل وتوازن" کو پس پشت ڈال دیا اور صرف ذاتی منفعت کے لئے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

مصلحین امت کا یہی کام ہوتا ہے کہ وہ معاشرہ کی خرابیوں کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہیں اور اس کی اصلاح کے لئے لائحہ عمل پیش کرتے ہیں تاکہ معاشرہ کی خرابی کے اسباب دور ہو جائیں اور معاشرہ صحیح خطوط پر کام کرنے لگے گزشتہ صدیوں میں اسلام نے بڑے بڑے علماء، فقہاء پیدا کیے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے جنہوں نے معاشرہ کی خرابیوں کی صحیح تشخیص کی اور اس کو دور کرنے کے لئے لائحہ عمل پیش کیا ہو، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ان ہی چند برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۷۰۳ء تا ۱۷۶۳ء، ۱۱۱۱ھ تا ۱۱۷۶ھ) اورنگزیب کی وفات سے چار سال پہلے دہلی میں پیدا ہوئے، یہ زمانہ وہ تھا جب عالم اسلام بالعموم اور خطۂ پاک و ہند بالخصوص پُرآشوب دور سے گزر رہا تھا اورنگزیب کی وفات کے بعد اس کے جانشینوں کی نالائقی اور مسلمان وزراء اور عمال حکومت کی غداریوں کے باعث مغلیہ سلطنت کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا۔ ملک کی حالت ابتر ہو چکی تھی، سادات بارھہ (۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء) بادشاہ گری کے منصب پر قابض تھے، جن کے ہاتھوں بادشاہ کٹھ پتلی بن کر رہ گیا تھا، وہ جسے چاہتے تخت پر بٹھاتے تھے جس کو چاہتے اتار دیتے، مرہٹوں نے ہر طرف شورش وبدامنی پھیلا رکھی تھی اور مسلمانوں کو برصغیر سے نیست ونابود کر دینے کا عزم کر چکے تھے، ادھر انگریز کلکتہ سے خروج کر کے شمال اور مغربی اضلاع کی طرف بڑھ رہے تھے اور مغلیہ سلطنت لال قلعہ تک محصور (تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ فی الہند، مسعود عالم ندوی، دارالعربیہ، تاریخ طبع ندارد، ص:۱۳۸، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، خلیق احمد نظامی علیگڑھ، ۱۹۵۰ء، ص:۳) ہو کر رہ گئی تھی ان حالات نے طوائف الملوکی پھیلا دی تھی جس کا اثر عام طور پر معاشرہ پر پڑا اور مسلم عوام بالخصوص ان حالات سے بری طرح متاثر ہوئے تھے، ان کی معاشی زندگی ابتر ہو گئی تھی اور اس کی وجہ سے ان کا اخلاق وکردار بری طرح متاثر ہو چکا تھا۔

شاہ صاحبؒ نے ان سب حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور تمام خرابیوں اور فتنوں کے اسباب وعوامل پر غور وخوض کیا اور پھر ان کو دور کرنے کے طریقے بھی بتلائے۔

شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک معاشرہ کی بُرائیوں کے تین اہم اسباب ہیں جن میں ایک معاشی عدم توازن ہے۔

"معاشی عدمِ توازن" سے مراد یہ ہے کہ معاشرہ کے کچھ افراد ضرورت سے زائد مال ودولت کے مالک بن جاتے ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں اکثر افراد فقر وفاقہ پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ کا بیان ہے کہ مال ودولت کے متعلق دو متضاد نظریے پائے جاتے ہیں یعنی یہ کہ مال ودولت نعمت بھی ہو سکتی ہے اور لعنت بھی۔ لعنت اس لئے کہ اس سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں، باہمی معاملات کی مشقتیں، محنت وتعب اور باہمی الجھنوں کی مصیبتیں جھگتنی پڑتی ہیں۔ خوشحالی، عالم غیب

(آخرت) سے اعراض اور غفلت کا سبب بن جاتی ہے۔ اصلاح آخرت کی تدابیر سے بالکل غافل اور بے خبر کردیتی ہے۔ (حجۃ البالغۃ، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۱۳۷۷ھ، ج:۱، ص:۱۰۴) اور نعمت اس لئے ہے کہ اس سے انسان کے مزاج کی اصلاح ہوتی ہے۔ اخلاق میں استقامت پیدا ہوتی ہے، معانی ومعارف اور علوم وفنون کی اشاعت ہوتی ہے۔ انسان اپنے ابنائے جنس میں امتیازی درجہ حاصل کرتا ہے اور سوء تدبیر سے جو غباوت وجہل اور عجز وپستی وغیرہ پیدا ہوجاتی ہے، اس سے نکل جاتا ہے۔

دونوں نظریوں کو پیش کرنے کے بعد شاہ صاحب دولت وثروت کو نعمت ہی کے درجہ میں دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے کہ مال ودولت کے معاملہ میں توسط اور میانہ روی کو مدنظر رکھا جائے اور یہ کہ تدابیر نافعہ معاش کو باقی رکھا جائے اور جس کے ساتھ ساتھ اذکار واوراد، آداب، اخلاق کو بھی لازمۂ حیات بنایا جائے۔

معاشی عدم توازن کی وجہ سے اجتماعی اخلاق برباد ہوجاتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ معاشرہ کی خرابی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اس کی وضاحت کے لئے شاہ صاحبؒ ایران وروم کی مثالیں پیش کرتے ہیں کہ کس طرح یہ عظیم سلطنتیں تباہ ہوگئیں حالانکہ ظاہری طمطراق میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔

جب ایرانیوں اور رومیوں کو حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور دنیوی لذتوں کو انہوں نے اپنا سرمایہ بنالیا اور آخرت کی زندگی کو بھلا بیٹھیں اور ان پر شیطنت پوری طرح غالب آگئی تھی تو اب ان کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ عیش پسندی کے اسباب میں منہمک ہوگئے اور ان میں کا ہر شخص سرمایہ داری اور تمول پر فخر کرنے لگا، یہ دیکھ کر دنیا کے مختلف گوشوں سے وہاں ایسے ماہرین جمع ہوگئے جو ان کے واسطے عیش پسندی کے نئے طریقے ایجاد کرتے اور سامان عیش مہیا کرنے کے لئے عجیب وغریب دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں میں مصروف نظر آنے لگے، قوم کے اکابر اس جدوجہد میں مشغول ہوگئے کہ اسباب تعیش میں کس طرح وہ دوسرے پر فائق ہوسکتے ہیں اور ایک دوسرے پر فخر ومباہات کرسکتے ہیں حتیٰ کہ ان کے امرأ اور سرمایہ داروں کے لئے یہ سخت اور عار سمجھا جانے لگا کہ ان کی کمر کا پٹکا یا سر کا تاج ایک لاکھ درہم سے کم قیمت کا ہو یا ان کے پاس عالیشان سر بفلک محل نہ ہو جس میں پانی کے حوض، سرد وگرم بے نظیر پائیں باغ ہو اور ضرورت سے زائد نمائش کے لئے بیش قیمت سواریاں، حشم وخدم اور حسین وجمیل باندیاں موجود ہوں اور صبح وشام رقص وسرود کی محفلیں گرم ہوں اور جام وسبو سے شراب ارغوانی چھلک رہی ہو۔

(حجۃ البالغۃ، ج:۱، ص:۱۰۵)

جب دولت وثروت کچھ لوگوں کے قبضہ وتصرف میں اس طرح ہوجاتی ہے تو پھر اس کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ امرأ حکام وعمال، عمائدین سلطنت کے گرد لوگوں کا ایسا طبقہ جمع ہوجاتا ہے کہ جس کا مقصد وحید نت نئے طریقوں سے دولت کمانا ہوتا ہے۔ مغنیوں، شراب، قصہ گو بزلہ سنجو کا گروہ اپنی بیہودہ خدمات کے عوض بھاری رقم انعام واکرام کی صورت میں وصول کرتا ہے۔

ہماری تاریخ میں ہارون الرشید، مامون الرشید کے جودوسخا کے افسانے زبان زد عام ہیں، لاکھوں دینار اور محل وجاگیروں کے انعامات معمولی اشاروں پر نچھاور کردیے جاتے تھے۔ محمد بن اسحٰق کو ہارون الرشید کے عہد کا بہترین مغنی تھا، ایک مرتبہ یحییٰ برمکی نے ایک لاکھ درہم اور ایک اسپ مرصع کے علاوہ ایک عالیشان محل عطا کیا جو شاہی طرز پر آراستہ کیا گیا۔

(البرامکہ، عبدالرزاق، نامی پریس لکھنؤ، ۱۳۱۵ھ، ص:۷۸)

ہارون الرشید نے مروان ابن ابی منصہ کو فی بیت قصیدے پر ایک ہزار درہم دیئے اور اس کی زندگی بھر اس کے ساتھ ایسا کیا گیا۔ مامون الرشید کی شادی حسن بن سہل کی بیٹی بوران سے ہوئی تھی، اس موقع پر جس طرح مال لٹایا گیا اس کی مثال تاریخ کے کسی دور میں نہیں ملتی۔ (المامون شبلی نعمانی، ص:۲۶) حسن بن سہل کے پانچ کروڑ درہم خرچ ہوئے تھے، مامون نے واپس ہوتے وقت فارس کی آمدنی میں پانچ کروڑ نقد حسن کو بطور تحفہ دے دیے۔

ہر اس معاشرہ کی صورت یہی ہوگی جس میں ”معاشی عدم توازن“ ہو اگر مسلم معاشرہ ہو تو پھر اس معاشرہ کے بگاڑنے میں جو عناصر شامل ہوجاتے ہیں شاہ صاحبؒ ان کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔

جب معاشرہ میں ایسے افراد پیدا ہوجائیں جو غیر صالح، تعیش کی زندگی گزارنے کے عادی ہوجاتے ہیں، جس کے لئے بے شمار مال ودولت کی ضرورت ہوتی ہے اور جس کو پورا کرنے کے لئے زراعت، تجارت اور دیگر تمام پیشوں پر بھاری بھاری ٹیکس عائد کئے جاتے ہیں، جو عوام کی مزید تنگی کا باعث ہوتے ہیں اگر لوگ ان ٹیکسوں کی ادائیگی میں پس وپیش کرتے ہیں یا انکار کرتے ہیں تو ان پر سختی کی جاتی ہے اور سزا دی جاتی ہے اس طرح کا ظلم پر مبنی ٹیکس شہروں کی بربادی کا باعث بنتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

”آج کل جو شہر برباد ہورہے ہیں، اس کے دو بڑے سبب ہیں ایک یہ کہ ناحق مال حاصل کیا جاتا ہے اور دوسری وجہ شہروں کے برباد ہونے کی یہ ہے کہ حکام کاشت کاروں، تاجروں اور پیشہ وروں پر بھاری ٹیکس لاتے ہیں اور ان کی وصولی کے لئے انہیں بہت تنگ کرتے ہیں، یہاں تک کہ جو لوگ بخوشی ٹیکس ادا

کرتے ہیں، ان کا استیصال کر ڈالتے ہیں اور جو لوگ سخت ہوتے ہیں وہ ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور بغاوت اختیار کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شہر قلیل ٹیکس اور ضرورت کے مطابق محافظین کار مقرر کرنے سے ہی اچھا رہ سکتا ہے۔“ (حجۃ اللہ البالغۃ، ج:۱، ص:۴۵، البدور البازغۃ شاہ ولی اللہ تحقیق صغیر حسن معصومی، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ، ۱۹۷۰ء، ص:۶۶، الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، ص:۳۲۳،۳۲۴)

معاشی اصول میں اگر عدل وتوازن برقرار رہے تو معاشرہ کے تمام افراد کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں لیکن معاشی عدم توازن میں معاشرہ کے ایک طبقہ کے لئے تو عیش وعشرت کا سامان ضرور مہیا ہوتا ہے، لیکن دوسری طرف کثیر طبقہ فقر وفاقہ پر مجبور ہو جاتا ہے اور نتیجتاً ایسا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے جو نہ صرف ان کی طبیعت کے موافق نہیں، ہوتا بلکہ مذموم بھی۔ (البدور البازغۃ، ص:۴۶)

ان حالات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسانیت کے اجتماعی اخلاق بالکل برباد ہو جاتے ہیں اور افراد معاشرہ گدھے اور بیل کی طرح صرف روٹی کے لئے کام کرتے ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغۃ، ۱:۴۵)

اجتماعی اخلاق سے محرومی یک بہ یک نہیں ہوتی ہے بلکہ آہستہ آہستہ اپنا بُرا اثر پیدا کرتا ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ معاشی عدم توازن سب سے پہلے ”حسد“ کو جنم دیتی ہے یہی وہ ام الخبائث ہے، جو دوسری اخلاقی برائیوں کے لئے راہ ہموار کرتی ہے۔ مثلاً رشوت، چور بازاری، کم لین دین، کم تولنا ناپنا، جھوٹ، وعدہ خلافی، دھوکا بازی، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی معاشرہ کا جزو زندگی بن جاتا ہے اور اس کی وجہ سے قتل، لوٹ، غارتگری، ڈاکہ زنی عام ہو جاتی ہے، قانون کی بالادستی ختم اور طوائف الملوکی کا دور، شروع ہو جاتا ہے، جس میں نہ لوگوں کی عزت محفوظ ہوتی ہے اور نہ جان و مال کی حفاظت اور جس معاشرہ میں یہ خرابیاں عام ہو جائیں تو اس کا مطلب ہے کہ لوگ خدا کے مقرر کردہ قوانین کی بغاوت پر آمادہ ہیں اور خدا کے مقرر کردہ قوانین سے بغاوت کا انجام تباہی وہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

معاشی عدم توازن:

معاشرہ کو بُری طرح تباہ کرتا ہے اس پر بحث کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ اپنے دور کے متعلق یوں اشارہ کرتے ہیں کہ ان سلاطین عجم وروم کی داستانیں دہرانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کی زندہ مثال خود ہندوستانی معاشرہ ہے اس ملک کے بادشاہوں، رئیسوں اور امیروں کا حال ہی دیکھ لو کہ کس طرح ان کی وجہ سے پیدا کردہ معاشی عدم توازن معاشرہ کو تباہ کرنے کا ذمہ دار ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ، ۱:۱۰۵)

حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کا نظریہ کہ معاشی عدم وتوازن معاشرہ کی خرابیوں کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے ایک مسلمہ اصول ہے جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے، جس معاشرہ میں جب بھی معاشی عدم توازن پیدا ہوگا، اس کا خراب و برباد ہونا لازمی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ایسے اقدام کئے جائیں کہ جس سے معاشرہ میں معاشی عدم توازن پیدا نہ ہو اور ایک طبقہ امیر سے امیر تر اور دوسرا طبقہ غریب سے غریب تر ہو جائے اور ایسا معاشرہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ہم ان اصولوں کو اپنائیں جو اسلام نے مقرر کئے ہیں جس کے اصول ”سرمایہ داری“ اور اشتراکیت کے اصول سے قطعاً مختلف ہیں۔☆☆

کاش!

تیرے ہوتے جنم لیا ہوتا — کوئی مجھ سا نہ دوسرا ہوتا
ہجرتوں میں پڑاؤ ہوتا میں — اور تُو کچھ دیر کو رُکا ہوتا
تیرے حجرے کے آس پاس کہیں — میں کوئی کچا راستہ ہوتا
کسی غزوہ میں زخمی ہوکر میں — تیرے قدموں پہ جا گرا ہوتا
کاش اُحد میں شریک ہوسکتا — اور باقی نہ پھر بچا ہوتا
میں کوئی جنگجو عرب ہوتا — جو تیرے سامنے جھکا ہوتا
پانی ہوتا اداس چشموں کا — تیرے قدموں پہ بہہ گیا ہوتا
بچہ ہوتا غریب بیوہ کا — سر تیری گود میں چھپا ہوتا
خاک ہوتا میں تیری گلیوں کی — اور تیرے پاؤں چومتا ہوتا
رستہ ہوتا تیرے گزرنے کا — اور تیرا رستہ دیکھتا ہوتا
مجھے خالق بناتا غار حسن — اور میرا نام بھی حرا ہوتا

مرسلہ: قاری محمد مظہر حسین، منڈی جہانیاں

حضرت عباسؓ.... فضائل ومناقب

مولانا شیخ رحیم الدین دکنی

نسب:

آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ قریش سے تھا، آپ کے والد کا نام نامی عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن نزار بن معد بن عدنان بن اوس اود بن الہمیسع بن الیسع بن سلامان بن السبت بن حمل بن قیدار بن اسماعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام۔
(الاصابہ والاستیعاب مطبوعہ دکن،ص:۴۹۹)

حضرت عباسؓ کے کل گیارہ بھائی اور چھ بہنیں تھیں، ان میں حقیقی بھائی ضرارہ بن عبدالمطلب تھے باقی بھائی علاتی تھے۔

خاندانی وجاہت:

حضرت عباسؓ کے تمام بڑے بھائی بہادر اور سخی تھے، ضرارہ بن عبدالمطلب جو حقیقی بھائی تھے، نہایت سخی تھے، حضرت حمزہؓ بڑے بہادر تھے ابوطالب بڑی شان کے مالک تھے، عبدالمطلب کے بعد وہی سردار بنے، غیراق ایسے بہادر تھے کہ کوئی ان کے مقابلے میں نہیں آتا تھا۔ عبداللہ والد ماجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوبصورت اور ہمہ صفت موصوف تھے، ابولہب بہت خوبصورت، مال دار اور ذی وجاہت تھا۔ حارث بڑے بہادر اور بڑے فیاض آدمی تھے۔ الغرض حضرت عباسؓ کا تمام خاندان زمانۂ جاہلیت میں معزز وممتاز گنا جاتا تھا اور یہی لوگ سب کے حاکم اور رئیس تھے، حج کے موسم میں تمام حجاج کو انہی کے یہاں سے کھانا اور پانی ملا کرتا تھا، اور یہ لوگ نہایت سیر چشمی سے حجاج کی خدمت کیا کرتے تھے... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے قبل ہی حضرت عباسؓ اعلیٰ درجہ کے سخی تھے۔

آپ کی پیدائش:

حضرت عباس ۵۶۶ء میں واقعۂ فیل سے تین برس پہلے پیدا ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت واقعۂ فیل ہی کے سال ہوئی۔ اس حساب سے حضرت عباسؓ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں تین سال بڑے تھے۔ حضرت عباسؓ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو اتفاقیہ طور پر یہ کہیں گم ہوگئے، چونکہ پہاڑی ملک تھا، ان کی والدہ محترمہ کو بڑی فکر ہوئی، انہوں نے اسی وقت نذر مانی کہ اگر عباس مجھ کو مل گئے تو میں بیت اللہ پر حریر و دیباج کا جو نہایت بیش قیمت کپڑا ہوتا ہے غلاف چڑھاؤں گی۔ نذر ماننے کے بعد ہی حضرت عباس مل گئے تو ان کی والدہ نے نذر پوری کی۔ حضرت عباسؓ کی والدہ ہی وہ اول عرب خاتون ہیں جنہوں نے بیش بہا کپڑے کا غلاف بیت اللہ کو پہنایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شاہی خاندان سے تھیں اور بہت ہی مال دار تھیں۔

حضرت عباسؓ جب سن تمیز کو پہنچے تو علم انساب، علم تاریخ، علم ادیان کے علوم سکھائے گئے چونکہ عرب میں یہ علوم عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، خصوصاً علم انساب کیونکہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام ہی کے زمانے سے برابر یہ خبر چلی آرہی ہے کہ عرب میں نسل اسماعیل ہی سے نبی آخرالزمان پیدا ہوں گے اس وجہ سے علم انساب کا بہت خیال تھا۔

حضرت عباسؓ کے والد عبدالمطلب اور ان کے آباؤ اجداد اپنے آپ کو ملت ابراہیمی پر بتلاتے تھے، چنانچہ ان کی پرہیزگاری تمام قریش میں مشہور ہوگئی تھی، یہی وجہ ہے کہ عبدالمطلب کے بعد جب حضرت عباسؓ کی عمر گیارہ برس کی تھی اور باوجودیکہ اور بھی ان کے بھائی موجود تھے مگر قریش نے حضرت عباسؓ میں علم، شجاعت، سخاوت، سیادت، خاندانی، صلہ رحمی دیکھ کر انہیں کو بیت اللہ کا محافظ منتخب کیا۔ (الاستیعاب فی معرفت الاصحاب، ص:۴۹۸ مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن) اور سب نے بالاتفاق یہ اعلان کیا کہ اگر کوئی حضرت عباسؓ کا کہنا نہ مانے گا تو اس کو ساری قوم کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوجانا چاہئے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ ہمیشہ بیت اللہ کی حفاظت میں اپنے وقت کو صرف کیا کرتے تھے اور آپ نے اس قدر اچھا انتظام کیا کہ کسی کی مجال نہ تھی کہ کوئی شخص بیت اللہ میں بیٹھ کر کسی کی ہجو یا غیبت کرسکے، اگر کوئی ایسا کرتا تو حضرت عباسؓ فوراً اس کو تنبیہ فرمادیا کرتے تھے اور ان کے حکم کے آگے سب کی گردنیں خم ہوجاتی تھیں۔ (کامل ابن اثیر،ج:۱،ص:۹)

بیت اللہ کی حفاظت کے علاوہ اور بھی کئی خدمتیں بیت اللہ کی رہی تھیں، جن کی وجہ سے متولی کعبہ ہمیشہ عظمت و بزرگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، وہ خدمت حسب ذیل ہیں:

سقایہ: حجاج کو پانی پلانے کی خدمت،

رفادہ: حجاج کو کھانا کھلانے کی خدمت،

حجابۃ: خدا کے مقدس گھر کی دربانی۔

ندوہ: دارالندوہ میں صدر انجمن کا استحقاق۔

لواء: لڑائی کے وقت علمبرداری کی خدمت۔

قیادت: جنگ کے وقت لشکر کی سپہ سالاری۔

عہدہ رفادہ:

عہدہ رفادہ کا منصب حضرت عباسؓ کے جد امجد جناب ہاشم کے سپرد تھا، ان کے بعد ان کے بیٹے عبدالمطلب سے متعلق رہا اور عبدالمطلب کے بعد کچھ سال ابو طالب نے اس کو انجام دیا اور جب حضرت عباسؓ سن بلوغ کو پہنچے تو ابو طالب نے یہ خدمت حضرت عباسؓ کے سپرد کردی۔ حضرت عباسؓ نے اس خدمت کو ایسے اعلیٰ درجہ کی فیاضی اور سخاوت سے انجام دیا کہ لوگ حیران ہوگئے۔

عہدہ سقایہ:

اس کا منصب بھی حضرت عباسؓ کے جد امجد جناب ہاشم کے سپرد تھا، ان کے بعد جناب عبدالمطلب پھر ابو طالب اس کو انجام دیتے رہے۔ مگر ابو طالب نے یہ عہدہ بھی اپنی زندگی ہی میں اپنے بھائی حضرت عباسؓ کی طرف منتقل کردیا۔

تعمیر کعبہ:

حضرت عباسؓ کی عمر جب سولہ سال کی ہوئی تو خانہ کعبہ کو اتفاقیہ طور پر آگ لگ گئی، جس کی وجہ سے عمارت مسمار ہوگئی قریش نے جمع ہوکر اس کو بنانا شروع کیا تو ہر شخص کار ثواب سمجھ کر اس کی تعمیر میں حصہ لینے لگا، حضرت عباسؓ سب سے زیادہ اس میں حصہ لے رہے تھے۔

حضرت عباسؓ کا نکاح:

حضرت عباسؓ کا نکاح حضرت لبابۃ الکبریٰ سے ہوا جو ام المومنین حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہن تھیں، ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت لبابۃ الکبریٰ جن کی کنیت ام الفضل ہے، یہ وہ پہلی خاتون ہیں جو حضرت خدیجہؓ کے بعد مسلمان ہوئیں اور بہت سی حدیثیں ان سے مروی ہیں اور ان کے بطن سے چھ لڑکے حضرت فضلؓ، حضرت عبداللہؓ، حضرت عبیداللہؓ، حضرت قثمؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ، حضرت معبدؓ اور ایک صاحبزادی جن کا نام ام حبیبہ تھا پیدا ہوئیں۔ ان کے علاوہ حضرت عباسؓ کی اور بھی اولادیں تھیں، کل دس لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں، سب سے آخر میں حضرت تمام پیدا ہوئے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے سرفراز ہوئے تو حضرت عباسؓ کی عمر تینتالیس سال کی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بنی ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو جمع کیا، چونکہ یہ حکم خداوندی تھا: "فانذر عشیرتک الاقربین" یعنی اپنے رشتہ داروں کو ڈرائیں اس لئے آپ نے اپنے خاندان کے تمام افراد کو جمع کیا اور کھانے کی دعوت دی جس پر ابو طالب، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ تو خاموش رہے مگر ابولہب نے کہا کہ کیا تم نے اس کام کے لئے ہم کو بلایا تھا؟ "تباً لک" اور نازیبا الفاظ اس کے منہ سے نکلے جس کے جواب میں "تبت ید ابی لھب" نازل ہوئی۔

حضرت عباسؓ کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں قبل الاسلام ہی سے حضور صلی اللہ علیہ کی حقانیت اور بزرگی گھر کر چکی تھی، جب قریش نے بنو ہاشم کا بائیکاٹ کیا تو حضرت عباسؓ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شعب ابی طالب میں چلے گئے اور سخت سختیاں اٹھائیں، جب قریش کی سختیاں بام عروج کو پہنچ گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا، مگر اولاً اپنے عم بزرگوار حضرت عباسؓ سے مشورہ لینے کی غرض سے ان کے پاس تشریف لے گئے، کیونکہ حضرت عباسؓ ہی آپ کے خیرخواہ اور ہمدرد تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عم میں اپنا راز آپ سے کہتا ہوں، اس کو ظاہر نہ کیجئے کہ قریش سے کیسی سختیاں اور اذیتیں اٹھا رہا ہوں، اب صبر کرتے کرتے دل سرد ہوگیا ہے، ان کا راستی پر آنا بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے، میں نے اکثر چاہا کہ جب مختلف قبائل حج کے واسطے آتے ہیں ان کے ساتھ چلا جاؤں اور وہاں جاکر اپنے دین کا اظہار کروں، مگر کوئی نہ ملا، ہاں البتہ یثرب کے چھ آدمی آئے تھے وہ مسلمان ہوکر چلے گئے اور اب کے بارہ آدمی آئے ہیں اور مجھ سے بیعت کی ہے اور مسلمان ہوگئے ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کے ساتھ چلا جاؤں؟

حضرت عباسؓ نے یہ سن کر کہا: "میں تم کو نیک مشورہ دیتا ہوں اور آئندہ ایسے امور میں ہمیشہ اچھے اور مناسب مشورے دیتا رہوں گا، میری یہ رائے ہے کہ تم ان بارہ آدمیوں کے ہمراہ نہ جاؤ اس وجہ سے کہ مدینہ میں تقریباً دس ہزار کی آبادی ہے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور جس شہر میں اتنے آدمی ہوں اور پھر ان میں اختلاف بھی ہو ایسی حالت میں وہاں کے تھوڑے آدمیوں کے ساتھ جانا ٹھیک نہیں اور نہ یہ لوگ قابل اعتماد ہیں، علاوہ ازیں آئندہ تو پھر واپس مکہ نہ آسکو گے کیونکہ یہاں سے جانے کے بعد تو یہ لوگ کھلم کھلا تمہاری جان کے دشمن ہوجائیں گے، اب تو جب تک تم یہاں ہو میں جاں نثاری کے لئے تیار ہوں، مگر یاد رکھو پوری قوم کا مقابلہ ہے، ہاں تم اپنے اہل بیت میں سے کسی کو ان کے ساتھ مدینہ روانہ کردو وہ وہاں جاکر تمہاری نیابت کریں اور وہ لوگوں کو تمہارے دین کی طرف رغبت دلائیں اور جب وہاں کے لوگ تمہارے دین کے گرویدہ ہوجائیں تو اس وقت وہاں جانا مناسب ہوگا اور اگر وہ لوگ تمہارے دین کے گرویدہ نہ ہوں تو تم اپنے قبیلے سے الگ نہ ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تجویز بہت پسند آئی اور اسی پر کاربند ہوئے اور حضرت مصعب بن عمیرؓ کو جو

آپ کے چچازاد بھائی تھے ان کو ساتھ بھیج دیا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے جا کر وہاں تبلیغ اسلام کی اور آخرکار آپ کی کوششوں سے سعد بن معاذؓ مشرف بالاسلام ہوگئے اور حضرت سعدؓ کی وجہ سے تمام بنی الاشہل مسلمان ہوگئے اور حج کے موقع پر اسی افراد مکہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اطلاع حضرت عباسؓ کو دی حضرت عباسؓ نے فرمایا: آپ ان کے پاس چلیں میں ابھی آتا ہوں اور یہ دیکھتا ہوں کہ وہ کیسے آدمی ہیں اور وہ لوگ قابل اعتماد ہیں کہ نہیں؟

شام کے وقت حضرت عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس مقام پر پہنچے جہاں مدینے والے منتظر تھے، ابھی اس وقت تک حضرت عباسؓ کا ایمان ظاہر نہیں ہوا تھا، حضرت عباسؓ یہ چاہتے تھے کہ ان مدینے والوں سے اچھی طرح مضبوط عہد لیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سپرد کردیں۔

حضرت عباسؓ کھڑے ہوئے اور یہ تقریر کی:

''اے اوس و خزرج کے سردار! تم سرداران قوم ہو اور تم لوگ سفر کی سختیاں اٹھا کر آئے ہو اس کا ہم کو خیال ہے تم سمجھ لو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرا بھتیجا ہے اور ساری خلقت سے مجھے عزیز ہے کسی شخص کو اس پر دسترس نہیں مگر قریش کی گستاخیوں سے ان کا دل ان لوگوں سے متنفر ہوگیا ہے اور ان کی بھی یہ مرضی ہے کہ تمہارے ساتھ چلے جائیں، مگر یاد رکھو! یہ جب یہاں سے چلے جائیں گے تو قریش کا جو شرم و لحاظ ہے وہ نہیں رہے گا اور یہ لوگ سخت درجہ کی لڑائی پر آمادہ ہوجائیں گے۔ اگر تم لوگ محمد سے بدعہدی کرو اور مدینے جا کر علیحدہ ہو جاؤ گے تو ابھی کہہ دو ایسا نہ ہو کہ انہیں یہاں سے لے جانے کے بعد اپنا وعدہ پورا نہ کرسکو اور ہمیں اپنا دشمن بنالو، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اپنی قوم میں محترم و معزز ہیں، ان لوگوں نے پورا عہد کیا اور کہا: اے عباس! ہم نے خدا کے لئے ان کو قبول کیا، ہم ان پر اپنی جانیں قربان کریں گے لیکن ایک عرض ہماری بھی ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دشمنوں پر غالب آجائیں اور کسی کا خوف و اندیشہ نہ رہے تو ایسا نہ ہو کہ آپ ہمیں چھوڑ کر چلے آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ ایسا نہ ہوگا، میں تمہارا اور تم میرے، میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہوگا میری قبر تمہاری قبروں میں ہوگی اور میرا گھر تمہارے گھروں میں ہوگا۔ جن کے ساتھ تم لڑو گے میں بھی لڑوں گا، جن سے تم صلح کروگے میں بھی صلح کروں گا، یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور تقریر کی چند ایام گزرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم باذن خداوندی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

دو ہجری میں کفار قریش مدینہ پر حملے کرنے کے لئے نکلے حضرت عباسؓ جنگ میں جانا نہیں چاہتے تھے، مگر قبیلہ اور قوم کے شدید اصرار پر بادل نخواستہ نکلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا کہ حضرت عباسؓ بادل نخواستہ نکلے ہیں اور اس کا بھی علم تھا کہ وہ دل میں اسلام لا چکے ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں اعلان فرمادیا کہ عباسؓ کو کوئی قتل نہ کرے۔ (ابن اثیر ج:۲ ص:۳۸)

کفار قریش کو جنگ میں شکست ہوئی اور ان کے ستر آدمی گرفتار ہوئے جن میں حضرت عباس بھی شامل تھے، ان کے ساتھ ان کے دو بھتیجے عقیل اور نوفل بھی تھے۔ اسیران بدر سے فدیہ لے کر چھوڑنے کا مسلمانوں نے فیصلہ کرلیا۔ حضرت عباسؓ سے فدیہ کی رقم مانگی گئی تو فرمایا کہ میرے پاس جو رقم تھی سب کی سب خرچ ہوگئی ہے، صرف بیس اوقیہ سونا ہے جو بچ گیا ہے، وہ تمام سونا لے لیا گیا۔ حضرت عباسؓ نے اس وقت عرض کیا کچھ میرے پاس بھی چھوڑ دیجئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرکے کہا کہ کیا تم اس کو گوارا کرسکتے ہو کہ تمہارا چچا دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سونا جو چچی صاحبہ کے پاس آپ رکھ کر آئے ہیں وہ کہاں ہے؟ حضرت عباسؓ نے کہا کہ اس کی خبر آپ کو کیسے ملی؟ یہ معاملہ تو شب میں بالکل خاموشی اور علیحدگی میں ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی وقت جبرئیل علیہ السلام نے آکر اطلاع دی تھی، یہ سن کر حضرت عباسؓ نے بآواز بلند کلمہ طیبہ پڑھا اور کہا کہ میں تو پہلے ہی سے مسلمان تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی میرے برتاؤ سے واقف ہیں اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ قریش مجھے زبردستی کھینچ کر لائے ہیں۔

اس کے بعد حضرت عباسؓ واپس مکہ چلے گئے اور وہیں قیام فرمایا مکہ سے جو مسلمان عمرہ وغیرہ کرنے جاتا ان کو حضرت عباسؓ اپنے پاس ٹھہراتے اور ان کی ہر طرح سے معاونت کرتے کسی کی مجال نہیں تھی کہ ان سے کچھ کہہ سکے اس کے باوجود حضرت عباسؓ یہ چاہتے تھے کہ مدینے چلے جائیں اور برابر خط کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرتے رہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ فتح کرنے تشریف لے جارہے تھے راستہ میں مقام ذوالحلیفہ پر حضرت عباس مع اپنے اہل و عیال کے لشکر اسلام سے مل گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اہل و عیال کو مدینہ روانہ کریں اور آپ ہمارے ساتھ رہیں، اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں اور آپ خاتم الامہاجرین ہیں۔

فتح مکہ کے بعد جب مسلمان جنگ حنین کے لئے نکلے تو حضرت عباسؓ بھی ہمراہ تھے جنگ میں مسلمانوں کا لشکر بکھر گیا اور شکست ہوگئی تھی کہ حضرت عباسؓ کی آواز پر سب جمع ہوگئے اور پھر فتح حاصل ہوئی۔ آپ نے اس جنگ میں انتہائی بے جگری سے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور پوری جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و نگرانی کرتے رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین نے حضرت عباسؓ کا بڑا اکرام کیا، اہم معاملات میں آپؓ سے مشورہ لیتے اور اس پر عمل کرتے۔ حضرت عمرؓ نے اموال غنیمت حسب درجات تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کے واسطے ایک رجسٹر بنایا تو حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ اول اس میں اپنا نام گرامی لکھیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں کس طرح اول نام لکھوں کہ حضرت عباسؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود ہیں، چنانچہ سب سے پہلے حضرت عباسؓ کا اسم گرامی لکھا گیا اور سب سے بڑھ کر حصہ آپؓ کے لئے مقرر کیا گیا۔

وفات:

جب حضرت عباسؓ کی عمر ۸۸ برس کی ہوئی تو ۱۲ رجب ۳۲ھ میں بروز جمعہ آپ کی وفات ہوئی۔ حضرت ابن عثمانؓ نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عباسؓ و حضرت علیؓ نے قبر میں اتارا۔ حضرت عباسؓ کی وفات سے اہل اسلام کو سخت صدمہ پہنچا۔

(استیعاب، ص:۵۰۰ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

مناقب:

ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عباسؓ مجھ سے ہیں اور میں عباسؓ سے ہوں، یہ غایت محبت کے الفاظ ہیں، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عباس سے محبت معلوم ہوتی ہے۔

آپ بے انتہا سخی اور صلہ رحمی کرنے والے تھے ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عباس بن عبدالمطلب قریش کے اعلیٰ درجہ کے سخی لوگوں میں سے ہیں اور اعلیٰ درجہ کی صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔

(اصابہ، ص:۲۶۶)

حضرت عباسؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور خاص صلوٰۃ التسبیح کی تعلیم دی اور ارشاد فرمایا کہ یہ وہ نماز ہے کہ جس کے پڑھنے سے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ جب قحط میں مبتلا ہو گئے تو حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ کو وسیلہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تو بارش فوراً شروع ہو جاتی۔

حضرت عباسؓ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ دنیائے اسلام میں آپ کی مقبولیت اس قدر ہے کہ تمام فرق اسلامی آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ☆☆☆

مجاہد ختم نبوت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم ہزارویؒ

مجاہد ختم نبوت استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم ہزارویؒ ۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۴ء مطابق ۸ فروری ۲۰۱۳ء بروز جمعۃ المبارک انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا مرحوم نے طویل عرصہ پائی، نصف صدی سے زائد تو فقہ و حدیث اور دیگر فنون نصرۃ العلوم میں پڑھاتے رہے۔

آپ سات، آٹھ سال سے جامعہ محمدیہ اسلام آباد میں شیخ الحدیث تھے اور صحیح البخاری کا درس دیا کرتے تھے، جس میں دورۂ حدیث کے طلبا کے علاوہ بعض اساتذہ بھی استفادہ کرتے تھے۔

جامعہ محمدیہ کے مہتمم مولانا ظہور علوی و دیگر اساتذہ و طلبا کے علاوہ کثیر لوگوں نے جنازہ میں شرکت کی۔ دیگر مدارس کے علماء، قراء، حفاظ وامراء، غرباء، وصلحا جنازہ میں شامل ہوئے۔ تیر کولہ مانسہرہ کی تاریخ میں اتنا بڑا جنازہ پہلے نہیں ہوا۔ بعد نماز جمعہ علماء کے بیانات ہوئے۔ جامعہ سیّد احمد شہید نزد اسٹیڈیم مانسہرہ کے مہتمم و شیخ الحدیث سیّد غلام نبی شاہ نے مختصر بیان کے بعد فرمایا کہ چونکہ عمر کے آخری حصہ میں حضرت مولانا صاحبؒ جامعہ محمدیہ اسلام آباد پڑھاتے رہے لہٰذا جامعہ محمدیہ کے مہتمم مولانا ظہور علوی مدظلہ ہی جنازہ پڑھانے کا استحقاق رکھتے ہیں تو انہوں نے ہی نماز جنازہ پڑھائی صفوں کا شمار نہ تھا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کا بہت بڑا کارنامہ ختم نبوت کا کام تھا، جس کا بین ثبوت ''تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت'' مولفہ چوہدری غلام نبی امرتسری کی کتاب کا پیش لفظ ہے مولانا عبدالقیوم ہزارویؒ کا تحریر کردہ ہے، اس کتاب کے صفحات نمبر ۱۵۴ تا ۱۵۸ مقدمہ مولانا عبدالقیوم ہزاروی صفحہ ۲۵۴ تا ۲۶۲ پر مولانا کا مفصل حال موجود ہے۔

اس کتاب میں امیر شریعت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ، مولانا مفتی محمودؒ اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ اکابر کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم کے مقدمات وجیل و نظر بندی وغیرہ قربانیوں کا بھی ذکر ہے۔ خصوصاً ۱۹۵۳ء، ۱۹۷۴ء اور ۱۹۸۴ء کی تحریکوں میں شامل رہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور باطل فرقہ قادیانیت/مرزائیت کے دام تزویر سے بچائے۔ ان علمائے حقہ کے طفیل اللہ تعالیٰ قادیانیوں و مرزائیوں کو بھی سمجھ عطا فرمائے اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی نبوت کے آغوش میں ہی پناہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

مولانا شفیق الرحمن

اسلامی مملکت میں

غیر مسلم شہری کے حقوق

مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ

(۲)

مرسلہ: حافظ محمد سعید لدھیانوی

غیر مسلموں کا پرسنل لاء محفوظ ہوگا:

اب سوال یہ ہے کہ جب کسی پر مذہب اور دھرم کے بارے میں جبر نہیں کیا جائے گا تو غیر مسلم اقوام وافراد اپنے مذہب دھرم اور مذہبی معاملات پر کس طرح عمل کر سکتے ہیں؟ اس میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے الفاظ یاد رکھئے کہ اسلام ہر شخص اور ہر قوم کے ''پرسنل لاء'' کو محفوظ کر دے گا، غیر مسلموں کے مذہبی امور، عبادات اور مذہبی احکام میں کوئی مداخلت نہیں کرے گا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ غیر مسلم اقوام اور افراد اپنے مذہبی امور، مذہبی رسومات وعبادات اور مذہبی احکام میں اسلامی احکام کے پابند نہ ہوں گے۔

اس سے بھی اگلی بات یہ ہے کہ اسلام مسلمانوں کا بھی ''پرسنل لاء'' ہی محفوظ کرتا ہے اور اس پرسنل لاء کی تشریحات میں نہیں بلکہ اس پرسنل لاء کی تربیت اور تعین میں مسلمان اسلامی شریعت کا پابند ہوتا ہے۔ اجتماعی امور میں ایک مسلمان اور غیر مسلم برابر ہوں گے، اس لئے اسلامی شریعت کے فاضل قانون داں علماء نے وضاحت کی ہے:

''اے اہل ذمہ (غیر مسلم) اسلامی حکومت دیانات (پرسنل لاء) میں ہمارے احکام کے پابند نہ ہوں گے۔'' (ہدایہ باب نکاح الکافر)

دیانات کا مطلب قریب قریب وہی ہے جو آج کل ''پرسنل لاء'' سے مراد لیا جاتا ہے بلکہ اس کے معنی پرسنل لاء سے وسیع تر ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی ایسی بات جس میں غیر مسلم مداخلت پسند نہ کرتے ہوں یا ان کا مذہب حکومت اسلامیہ کی مداخلت برداشت نہ کرتا ہو، اسلامی حکومت ان کے رسوم ورواج میں بالکل دخل انداز نہ ہوگی۔ ان کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے طریق پر بیاہ شادی کریں۔ اسلام ان کے نکاح و طلاق کے رواج کو ان کے حق میں قبول کرے گا (یہاں تک کہ اگر مجوسی (آتش پرست) بہن کی شادی بھائی سے کرنا چاہیں گے تو اسلامی حکومت ان کو روکے گی نہیں اور مدراسی برہموں کی طرح کوئی غیر مسلم بھانجی سے شادی کی اجازت مانگے تو دے دی جائے گی، وہ اپنے مذہبی طریق پر اپنے مندروں، کلیساؤں، کینوں اور گوردواروں میں بت خانوں اور آتش کدوں میں عبادت کرنے میں آزاد ہوں گے۔ انہیں حق حاصل ہوگا کہ وہ وید اور گیتا کو پڑھا کریں، ان کی کوئی کتاب ہو گرنتھ صاحب ہو یا انجیل مقدس، زبور ہو کہ تورات ان کے لئے اس پر عمل کرنے کی عام اجازت ہوگی! بلکہ یہ ان کا حق ہے، ان کے گوردوارے آباد ہونے چاہئیں، ان کے مندر کھلیں رہیں گے، اس سے آگے بڑھ کر غیر مسلم بت پرست اقوام کو اسلامی حکومت میں اسلام یہ حق دیتا ہے کہ وہ اپنے بتوں کی پوجا کریں، کوئی مسلمان یا اسلامی حکومت کا کوئی قانون اس کو غیر مسلم سے چھین نہیں سکتا، یہ اس اسلام کے احکام ہیں جو دنیا کو توحید (یعنی ایک خدا کی پوجا) کی دعوت دیتا ہے اور خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک وساجھی کرنے کو گناہ قرار دیتا ہے بلکہ اسلام تو عیسائیوں کے اس حق کو بھی نہیں چھینتا کہ وہ عیسیٰ (علیہ السلام) کو خدا کا بیٹا کہیں اور مریم کے بت کو پوجیں۔ اس کے نزدیک اگر یہودی حضرت (عزیر علیہ السلام) کو خدا کا بیٹا قرار دیں تو اسلامی حکومت ان کو روک نہیں سکتی۔ درآنحالیکہ اسلام اور قرآن کی زبان میں اس سے بڑا خدائے واحد پر کوئی بہتان نہیں ہوسکتا اور اس سے زیادہ خدا کے پاک بندوں کی توہین نہیں ہے۔

''تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ (مریم:۹۰،۹۱)

ترجمہ: ''ابھی آسمان پھٹ پڑیں اس بات سے اور ٹکڑے ہو زمین اور گر پڑیں پہاڑ ڈھے کر، اس پر کہ پکارتے ہیں ''رحمٰن'' کے نام پر اولاد۔''

''اَلَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ (کہف:۴،۵)

ترجمہ: ''جو کہتے ہیں اللہ رکھتا ہے اولاد، کچھ خبر نہیں ان کو نہ ان کے باپ دادوں کو، کیا بڑی بات ہو کر (کتنی بڑی بات) نکلتی ہے، ان کے منہ سے، سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں۔''

جہاد کی وجہ:

اگر آپ ذرا گہرائی میں جائیں کہ اسلام نے

جس جہاد کی اجازت دی ہے وہ بھی اس لئے اجازت دی ہے کہ ہر مذہب کے عبادت خانے محفوظ ہو جائیں، وہ کسی مذہب کے ہوں، اس میں کسی طرح خدا کی یا غیر خدا کی پرستش کی جاتی ہو، اس میں قرآن شریف پڑھا جائے یا انجیل مقدس گرنتھ صاحب، اس عبادت خانہ کی رونق ہو یا وید، تو رات کی تلاوت کی جاتی ہے یا زردشت کی پاژند، اس میں بتوں کی پوجا ہوتی ہو یا آگ کی پرستش ہوتی ہو، وہ طریقہ عبادت عیسائیوں کا ہو یا یہودیوں کا وہاں پارسی مذہب کی رسوم ادا ہوتی ہوں یا لوگ ستاروں کو سلام کرتے ہوں اسلام کو اس سے بحث نہیں، وہ کہتا ہے جہاد کرو، اگر ایسا نہ ہوا تو یہ عبادت گاہیں تباہ ہو جائیں گی اور دنیا میں امن وسلامتی ختم ہو جائے گی۔

"وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۔" (الحج:۴۰)

ترجمہ: "اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ ایک کو ایک سے تو ڈھادیے جاتے (راہبوں تیاگیوں، کے تکیے اور عیسائیوں کے گرجے) اور یہودیوں کے کنیسے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے، اللہ کا بہت۔"

اس آیت پر غور کیجئے گا تو ہمارا دعویٰ بالکل بے غبار نظر آئے گا اور آپ طرفہ یہ دیکھیں گے کہ اسلام نے تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کے آخر میں مساجد کا ذکر کیا ہے تو جس اسلام کی جنگ یعنی جہاد بھی دیگر مذاہب کی حفاظت کے لئے ہو اور وہ چاہتا ہو کہ ان مذاہب کے پورے آثار قائم رہیں تو آپ فرمائیے کہ وہ کیسے دیگر مذاہب کے ماننے والوں پر زبردستی اسلام ٹھونسنے کی اجازت دے سکتا ہے۔

کلچر اور شعار، اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کا ممتاز مقام:

اول تو اسلام کا کوئی ایسا تہوار نہیں ہے، جس میں کسی قسم کی رنگ رلیاں منانے کی اجازت ہو یا شکل و صورت بدلنے کا حکم ہو، ان کے تہوار کی بڑی خوشی بھی یہی ہے کہ وہ خدا کے سامنے نہایت عاجزی سے سر جھکائیں، مگر کسی غیر مسلم کو اس میں شرکت کے لئے نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح اسلام اجازت دے گا کہ جو چاہیں کھائیں اور جو چاہیں پئیں، اگر ان کے مذہب میں شراب اور سور کا گوشت کھانے کی اجازت ہے تو بلا لائسنس کے ان کی دکانیں کھلوادی جائیں گی، انہیں عام خرید فروخت کی اجازت ہوگی وہ جتنی چاہیں شراب کشید کریں اور بیچیں، وہ سور کا گوشت کھائیں، جھٹکہ کھائیں، مردار کھائیں، کسی جانور کا گوشت کھائیں اسلامی حکومت منع نہیں کرسکتی اور اس معاملہ میں مسلمانوں کی دل شکنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جبکہ اسلام نے ان چیزوں کی ان کو اجازت دے رکھی ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ کسی غیر مسلم فرد یا قوم کو کسی چیز کے کھانے پر بھی مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اگر اس کے مذہب میں کسی چیز کے کھانے پینے کی ممانعت ہے یا وہ نہیں کھانا چاہتا تو اسلام کا کوئی حکم اور اسلامی حکومت کا کوئی قانون اسے ان چیزوں کے کھانے پر بھی مجبور نہیں کرسکتا۔ البتہ اسلام غیر مسلموں کو اس بات کی اجازت نہیں دے گا کہ وہ کسی ایسی چیز کی مسلمان کے ساتھ خرید وفروخت کریں جسے اسلام نے مسلمانوں پر حرام کیا ہے۔

اسلام نے غیر مسلم اقوام اور غیر مسلم افراد کو ہر طرح کی پوری آزادی ہے، ان کے کھانے پینے پر کوئی پابندی نہیں ہے، دنیا جانتی ہے کہ اسلام میں ایک مسلمان کے لئے شراب پینے کی سزا حد ہے۔ حد سے مراد اسی کوڑے ہیں جو شرابی پر سر عام لگائے جاتے ہیں تاکہ وہ آئندہ شراب نہ پئے لیکن ذمی (غیر مسلم شہری) کے متعلق اسلام کہتا ہے ان کے لئے شراب بالکل اسی طرح ہے جس طرح مسلمانوں کے لئے سرکہ ہے، لہٰذا:

"(کسی غیر مسلم پر اسلامی حکومت میں شراب پینے پر حد (اسی کوڑے) نہ لگائی جائے گی اور نہ اس کی شراب گرائی جائے گی۔" (ہدایہ ج:۳)

اس لئے کہ یہ اس کا حق ہے، اگر اس کے مذہب نے اس کی اجازت دی ہے تو اسلامی حکومت بھی اسے اجازت دے گی بلکہ اس کے حق کی حفاظت کی اسلام نے گارنٹی دی ہے:

"بلکہ (وہ شراب) اسی شخص کو لوٹائی جائے گی جب اس سے کوئی چھین لے (چھیننے والا اگرچہ مسلمان ہو اور اس کا ضائع کرنے والے کو اس شراب) کا تاوان دینا پڑے گا۔" (الاشباہ والنظائر)

یعنی اگر کسی نے لڑائی جھگڑے میں شراب گرادی یا خیر خواہی میں بوتل لے کر پھینک دی یا مذہبی جنون میں ناواقفیت کی بنا پر شراب کی صراحی انڈیل دی یا کسی دھکے چلنے سے شراب گرگئی تو اسلام کی عدالت اس غیر مسلم کو اس کا تاوان دلوائے گی۔

اس غیر مسلم کو چاہئے کہ وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے لیکن اگر کسی مسلمان کے پاس شراب پائی گئی تو وہ شراب گرادی جائے گی، شراب کے برتن پھوڑ ڈالے جائیں۔ اس کا کوئی تاوان نہ ہوگا بلکہ اس مسلمان پر تعزیرات اسلام کی خلاف ورزی پر مقدمہ چلایا جائے گا اور اگر اس مسلمان سے شراب کا پینا ثابت ہو گیا تو پھر وہ اسی کوڑے کھانے کے لئے تیار ہو جائے، اسی طرح اس کی تمام کھانے پینے کی چیزوں کی حفاظت ہوگی وہ سور ہو یا مردار ہو یا کوئی اور چیز ہے۔ اسلامی قانون کی عام درسی کتابوں میں وضاحت کے ساتھ لکھا ہے:

”مسلمانوں پر ذمی (غیر مسلم شہری) کے شراب اور خنزیر کی ضمان (تاوان) واجب ہوگی۔“

اگر کسی مسلمان نے کسی کے سور کو قتل کر دیا یا اس کے گوشت کو ضائع کر دیا، کیونکہ غیر مسلموں کے حق میں ان کے لئے مال ہے جو ایک قیمت رکھتا ہے، اگرچہ مسلمان کے لئے یہ مال نہ ہو اور اس کی کوئی قیمت نہ ہو، اس حقیقت کے ہوتے ہوئے ان لوگوں کے عقل و ہوش کی داد دیجئے بلکہ اسلام سے بے خبری پر آفریں کہنے کو جی چاہتا ہے جو اپنے خیال میں سور اور جھٹکے کے گوشت کو مسلمانوں کی دل شکنی کے لئے کھاتے ہیں اور موجودہ دور کے مسلمانوں کی حالت پر بھی توجہ کیجئے کہ کس قدر، کسی حد تک اسلام سے بے خبر، ناواقف ہیں کہ ان کی غیر مسلموں کی مردار خوری، خنزیر خوری اور شراب نوشی سے نہ صرف دل شکنی ہوتی ہے بلکہ ان کا اسلام خطرہ میں آ جاتا ہے۔ اگرچہ وہ ”یورپین سوسائٹی“ میں خود ان حرام امور کا ارتکاب کرتے ہوں:

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

لباس:

کلچر کا ایک ضروری جزو لباس ہے۔ ہر قوم چاہتی ہے کہ اس کا قومی لباس مخصوص ہو کہ وہ دور سے اس قوم کا فرد نمایاں طور پر معلوم ہو، اس کے متعلق ہم بحث کر آئے ہیں کہ کسی غیر مسلم پر لباس کے معاملہ میں بھی پابندی نہ ہوگی، وہ دھوتی، پتلون، شلوار قمیص، کرتا، انگرکھا، اچکن، کوٹ، ٹوپی، ہیٹ پہننے میں آزاد ہوگا۔ جس طرح لباس میں کترت بیونت، کانٹ چھانٹ اور صورت شکل میں وہ آزاد ہوں گے، اسی طرح ان کو ہر قسم کا کپڑا پہننے کی بھی اجازت ہوگی مثال کے طور پر اسلام میں کوئی مسلمان مرد ٹخنے سے نیچا پاجامہ یا تہبند نہیں پہن سکتا اور کوئی عورت ایسا کوئی کپڑا نہیں پہن سکتی جس میں اس کے پاؤں، ٹخنے اور ہاتھوں کی کلائیاں کھلی رہی ہوں۔ اسی طرح کسی مرد کو نہ ریشم پہننے کی اجازت ہے اور نہ سونے چاندی کے زیور کی۔ حتیٰ کہ وہ عورت ہو یا مرد، وہ سونے چاندی کے برتن بھی استعمال نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی مسلمان مرد یا عورت سونے چاندی کے برتن استعمال کرتا ہے یا سونے چاندی کے تخت اور کرسی بچھواتا ہے وہ فرعون کی صف میں شمار ہوگا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ناراض ہیں وہ قارون کا پیرو ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ کا نام لیوا نہیں ہے، وہ ایک غیر اسلامی نظام کا علمبردار ہے۔ اسلامی نظریات سے اسے دور کا واسطہ نہیں ہے، آخرت میں اس سے پرسش ہوگی۔ دنیا میں اسلامی حکومت گرفت کرے گی، مگر اسلام ایک غیر مسلم شہری کو اجازت دیتا ہے کہ اگر ان کے مذہب میں اجازت ہو تو وہ ریشم کے کپڑے اور سونے چاندی کے زیورات پہن سکتے ہیں۔

”اور کسی (غیر مسلم) کو ریشم (کے کپڑے) اور سونے (کے زیورات) کے پہننے سے روکا نہیں جا سکتا۔“

درآنحالیکہ اگر کوئی مسلمان مرد پہن لے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ آخرت میں اس کے لئے آگ کے زیور ثابت ہوں گے، اسی طرح ان کو حق حاصل ہوگا کہ ان کے مرد ٹخنوں کے نیچے تہبند لٹکا کر چلیں اور پتلون و شلوار اتنی لمبی ہو کہ وہ پاؤں کو بھی چھپا لے جیسا کہ ہمارے ملک کا فرنگیوں کے اثر سے رواج ہو گیا ہے وجہ کچھ بھی ہو بہرحال ایک غیر مسلم آزاد ہے کہ وہ کسی قسم کا کپڑا پہنے اس کے حدود اربعہ کوئی بھی ہوں، یہ اس کا حق ہے وہ سونے چاندی کے زیور پہنے یا سونے چاندی کے برتن استعمال کرے اسلامی حکومت میں کوئی قانونی گنجائش نہیں ہے کہ وہ کسی قسم کی رکاوٹ ڈال سکے، برخلاف اس کے مسلمان مرد و عورت کے لئے کپڑا پہننے میں حدود متعین کی گئی ہیں، ان کے لئے سونے چاندی کے برتن کے استعمال کی قطعی ممانعت ہے اور کسی کو کسی حال میں سونے چاندی کے زیور اور ریشم کا کپڑا پہننے کی اجازت نہیں ہے۔

مسئلہ زبان:

رہا زبان کا مسئلہ تو اسلام کسی زبان کا پابند نہیں ہے وہ کہتا ہے کہ ہر زبان میں اس زبان کے سمجھنے والوں تک دین کو پہنچا دو۔ ہندی، انگریزی، چینی، فارسی کو عربی میں تبدیل نہیں کرتا وہ کہتا ہے کہ ہندی، انگریزی، چینی، فارسی، فرانسیسی، جرمنی ہر زبان میں دین حق کی دعوت کو دنیا کے ہر گوشہ میں ہر شخص تک پہنچا دو۔ پس اسلامی حکومت میں زبان کا مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوتا آج بھی افغانستان، ایران، ترکی کی نام نہاد اسلامی سلطنتوں میں ملکی زبان، سرکاری زبان ہے۔ عجیب بات ہے کہ ہندوستان میں اُردو اسلام اور مسلمانوں کی زبان قرار دی گئی ہے اور ہندی کو دفتری زبان بنا کر زبردستی لاگو کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک سیکولر اسٹیٹ کا حال ہے جہاں، زبان کے معاملہ کو دھرم کے لئے خطرہ تصور کیا جاتا ہے، تاہم اس میں مسلمانوں کی پریشانی کا سبب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ انہیں چاہئے کہ وہ ہندی کو فارسی کی طرح اپنی زبان بنا کر اپنا لٹریچر اور اسلام کی دعوت کو ہندی زبان میں منتقل کر دیں تاکہ اللہ کی وہ مخلوق جو اردو، عربی، فارسی وغیرہ نہ جاننے کی وجہ سے اسلام سے ابھی تک ناواقف ہیں اور صرف ہندی پڑھ سکتے ہیں، اسلام سے روشناس ہو سکتے ہیں۔ اوپر کی بحث سے یہ بات سمجھ میں آ چکی ہے کہ اسلام میں ضروری ہے کہ غیر مسلموں کے مذہبی آثار اور عبادت گاہوں کی حفاظت کی جائے۔ اسلامی حکومت ان کے کلچر، تہذیب، تمدن، شعائر کو محفوظ کرے بلکہ ان کے کلچر یعنی شعائر کی حفاظت کی گارنٹی دے۔ اس بات پر غور کیجئے کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کا ”پرسنل لاء“ محفوظ ہوگا یعنی وہ ”دیانات“ میں اسلامی شریعت کے احکام کے پابند نہ ہوں گے۔ (جاری ہے)

گزشتہ سے پیوستہ

ناموسِ رسالت کی پامالی اور ہماری ذمہ داری

مولانا محمد حذیفہ وستانوی

ایڈورڈ گبن: ’’محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب صاف، شک وشبہ سے بالاتر ہے اور خدا کی وحدانیت کی تصدیق میں قرآن ایک شاندار شہادت ہے۔‘‘ (بحوالہ حقانیت اسلام منقول از اخبار المشرق، یکم جولائی ۱۹۲۷ء)

ایک مسیحی عالم نے ایک کتاب مسمّٰی بہ ’’قرآن السعیدین‘‘ لکھی ہے، اس میں اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر زور دیا ہے اور بتایا ہے کہ ایمانداری، بے تعصبی، وسیع القلبی اور شرافت اس بات کی مقتضی ہے کہ عیسائی دوست اپنے دلوں کو صاف کریں اور یقین جانیں کہ دین داری اس کے علاوہ کچھ اور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہیں اور ان سے بغض و عداوت رکھیں، بلکہ مناسب ہے کہ ان کی خوبیوں پر نظر کریں، حسب مرتبہ ان کی قدر کریں، تعظیم کریں اور حتی المقدور مسلمانوں کے جذبات کا پاس کرتے ہوئے ان کے ساتھ رواداری سے پیش آئیں۔

اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور نرم دلی کی آیت بھی نقل کی ہے کہ رسول ایمانداروں پر شفیق ومہربان ہیں اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روشن چراغ تھے، رحمۃ للعالمین، صاحب خلق عظیم تھے کہ ان کے اوصاف سے آخران کی کوشش بارآور اور سعی مشکور ہوئی۔

داؤد آفندی جیسا شخص نامور عیسائی اہل قلم کی نظر میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت:

’’دنیا کا عظیم ترین سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے صرف دس سال کے قلیل زمانے میں ایک محکم دین اور اعلیٰ درجہ کا فلسفۂ طریق معاشرت اور قوانین تمدن وضع کئے۔ قانون جنگ کی کایہ پلٹ دی اور ایک ایسی قوم و سلطنت بنادی کہ وہ عرصۂ دراز اور مدت مدید تک دنیا پر حکمراں رہی اور آج تک زمانہ کا ساتھ دے رہی ہے اور لطف یہ ہے کہ وہ شخص باوجود ایسے عظیم ترین اور بے مثل کام کرنے کے محض ناخواندہ اور امی تھا، وہ مرد گرامی اور اجل اعظم محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب قریشی عربی، مسلمان کے نبی ہیں۔‘‘

مسٹر گوندجی ڈسائی: گجرات کے ایک فاضل ہندو تعلیم یافتہ گزرے ہیں، آپ نے اپنی زندگی میں ایک مضمون اسلام اور اہنسا پر تحریر فرمایا تھا، اس مضمون کو گاندھی جی نے بھی اپنے اخبار ’’ینگ انڈیا‘‘ میں درج کیا تھا، آپ نے اس مضمون میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں عقیدت کے جو پھول برسائے ہیں، وہ آپ کے الفاظ میں حسب ذیل ہیں:

’’انسانی شرافت:

یہ امر واقعہ ہے کہ ذاتی طور پر رسول عربی ایک ایسے شخص تھے، جن میں بڑی انسانیت اور شرافت تھی، آپ کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ آپ اپنے سے کم درجہ کے لوگ سے بڑی رعایت کرتے تھے اور آپ کا کم سن غلام، چاہے، کچھ ہی کرتا تھا، آپ اس کا مضحکہ اڑانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

بچوں پر شفقت:

آپ بچوں سے بڑا انس رکھتے تھے، آپ ان کو راستہ میں روک لیتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ آپ نے عمر بھر کسی کو نہیں مارا۔ آپ نے شدید ترین الفاظ جو کبھی مخالفین مذہب کے متعلق کہے یہ تھے کہ اسے کیا ہے؟ خدا کرے اس کا چہرہ خاک آلود ہو، جب آپ سے کہا گیا کہ فلاں شخص کو بددعا دیں تو آپ نے جواب دیا کہ میں بددعا دینے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں، بلکہ انسانوں کے ساتھ رحم کا سلوک کرنے آیا ہوں۔

رسول عربی میں تمام انسانوں سے زیادہ انسانیت تھی، جب آپ اپنی والدہ کی قبر پر جاتے تو روتے تھے اور ان لوگوں کو رُلاتے جو اس وقت آپ کے گردوپیش کھڑے ہوتے تھے۔

نبوت کا تاجدار جھونپڑیوں میں:

جس قدر سادہ اطوار رکھتے تھے اسی قدر آپ مخیر تھے۔ آپ اپنی بیویوں کے ساتھ جھونپڑیوں کی ایک قطار میں رہتے تھے۔ آپ خود آگ جلاتے اور جھونپڑیوں میں جھاڑو دیتے تھے۔ آپ کے پاس جو کچھ کھانا ہوتا تھا اس میں سے ان لوگوں کو حصہ دیتے تھے جو آپ کے پاس جاتے تھے۔ آپ کا معمولی کھانا کھجوریں اور پانی یا جو کی روٹی ہوتی تھی۔ دودھ اور شہد آپ کا سامان عشرت تھا اور ان دونوں چیزوں کے آپ بڑے شائق تھے، مگر آپ یہ چیزیں شاذ و نادر ہی استعمال کرتے تھے، جب آپ عرب کے بادشاہ بن گئے تو بھی

آپ ریگستانوں کی سیاحت کو بہت پسند کرتے تھے۔

غریبوں کا احترام:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبوں کو یہ کہہ کر تقدس بخش دیا کہ غریبی آپ کا فخر ہے، آپ نے خدا سے دعا کی کہ آپ کو غریبی میں رکھے، آپ کو حالت غریبی میں موت دے اور حشر کے دن آپ کو غریبوں میں اٹھائے۔

بزرگی اور پیغامبری:

آپ اس قدر منکسر المزاج تھے کہ آپ کسی کو اپنی نسبت اس سے کچھ زیادہ نہیں کہتے تھے کہ آپ خدا کے بندے اور اس کے پیغامبر ہیں۔ آپ اپنے دلی معتقدوں کو یاد دلاتے رہتے تھے کہ میں انسان سے بڑھ کر نہیں ہوں، اگرچہ آپ کا دعویٰ تھا کہ آپ خاتم النبیین اور سرآمد انبیاء ہیں، یعنی سب سے آخر اور سب سے بڑے نبی ہیں، مگر ساتھ ہی اپنے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ میں اور باقی انسان اس وقت تک بہشت میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ خدا آپ کو اپنی رحمت سے نہ ڈھانک دے گا۔ جہاں آپ نے ایک طرف یہ اعلان کیا کہ خود میں محض خدا کے فضل کی بدولت نجات پاؤں گا، وہاں آپ نے انسانوں کو بھی تسکین دی کہ خدا کی رحم دلی اس کے غصہ پر غالب آجاتی ہے اور یہ کہ خدا نے بہشت کے دروازے نام نہاد بے دینوں پر بند بھی نہیں کئے، آپ نے فرمایا کہ اگر کسی بے دین کو معلوم ہو جائے کہ خدا کس درجہ رحیم ہے تب بھی اسے بہشت کی طرف سے مایوس نہ ہونی چاہئے۔''

محسن اعظم:

ونکلارتنام، مدراس: ''محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دنیا کے ساتھ اتنا احسان کیا ہے کہ دوسروں نے نہیں کیا۔''

لائق عزت ومحبت:

لالہ لاجپت رائے: ''مجھے یہ کہنے میں ذرا تامل نہیں کہ میرے دل میں پیغمبر اسلام کے لئے نہایت عزت ہے۔ میری رائے میں بادیان دین اور راہبران بنی نوع انسان میں ان کا درجہ بہت اعلیٰ ہے۔''

جلیل القدر مصلح:

کاؤنٹ ٹالسٹائی: ''حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بے انتہا منکسر المزاج، رحم دل، راست باز، خلیق، متحمل، انصاف پسند اور جلیل القدر مصلح ریفارمر تھے.....

دنیا کے تمام انصاف پسند محققین اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طرز عمل، اخلاق انسانی کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ ہم یہ یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ وہدایت خالص سچائی پر مبنی تھی۔''

بنی نوع انسان کے لئے رحمت:

پروفیسر رگھوپتی سہائے رفراق گورکھپوری: ''میرا اٹل ایمان ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر اسلام کی ہستی بنی نوع انسان کے لئے ایک رحمت تھی۔ پیغمبر اسلام نے تاریخ وتمدن، تہذیب واخلاق کو وہ کچھ دیا ہے جو شاید ہی کوئی اور بڑی ہستی دے سکی ہو۔ پیغمبر اسلام کے پرستانہ جذبات رکھنا، ان کا دلی احترام کرنا، ہر انسان کا فرض ہے، بلکہ ہر انسان کے لئے سعادت ہے، اس میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں:

''تفرقوں سے پاک ہے آنسو محبت کے فراق

اگر آپ ﷺ نہ آتے تو....؟

پروفیسر باسورتھ اسمتھ: ''بلاشک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں، اگر پوچھا جائے کہ افریقا (بلکہ پوری دنیا) کو کس مذہب نے زیادہ فائدہ پہنچایا؟ اسلام نے؟ تو جواب میں کہنا پڑے گا کہ اسلام نے۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش ہجرت سے پہلے خدانخواستہ شہید کر ڈالتے، تو مشرق ومغرب دونوں ناکارہ رہ جاتے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو یورپ کے تاریک زمانے دو چند بلکہ سہ چند تاریک تر ہو جاتے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو انسان ریگستانوں میں پڑے بھٹکتے پھرتے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو عیسائیت بگڑ کر بد سے بدتر ہو جاتی۔ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ صفات اور تمام کارناموں پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا تھے، کیا ہو گئے اور آپ کے تابعدار غلاموں نے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کی روح پھونک دی تھی کیا کیا کارنامے دکھائے تو آپ مجھے سب سے بزرگ تر اور برتر اور اپنی نظیر آپ ہی دکھائی دیتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء سے لے کر انتہا تک یعنی بعثت سے لے کر دار البقا میں جانے تک اپنے کو نبی کہلایا اور اس سے رتی بھر آگے نہیں بڑھے۔ میں یہ اعتقاد کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ نہایت اعلیٰ درجہ کے فلاسفر اور سائنسدان اور فضلائے عالی دماغ اور عیسائی ایک دن بالاتفاق تصدیق کریں گے کہ بلاشک حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے رسول ہیں۔'' (محمد اینڈ محمڈن ازم، تالیف پروفیسر باسورتھ اسمتھ)

یہ تھے وہ تاثرات جو غیر مسلموں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان کئے، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو اتنی جامع الکمالات ہے کہ کوئی لکھنے والا اسے اپنے احاطہ میں نہیں لاسکتا۔ سلف صالحین اور معاصر مؤلفین نے سیرت پاک کے ایک ایک موضوع پر ہزار ہا ہزار صفحات تحریر کئے ہیں، مگر پھر بھی آپ کی سیرت کا حق ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

تھکی ہے فکر رسا، مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا، مدح باقی ہے
ورق تمام ہوا، مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا، مدح باقی ہے

☆☆..............☆☆

مجازی نبوت کا تارِ عنکبوت

تیسری قسط

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

دعوت:

منصب نبوت ورسالت سے سرفراز ہونے کے بعد انبیاء کرام کا مشن شروع ہوتا ہے۔ وہ مبعوث ہوکر مخلوق کو ایمان باللہ کی دعوت دیتے ہیں اور اسے یہ بتاتے ہیں کہ دنیا کی فلاح اور آخرت کی نجات صرف ان کے قدموں سے وابستہ ہے۔ ان کی پیروی ہی موجب نجات ہے اور ان سے پہلے جتنے نبی گزر چکے ہیں، صرف ان پر ایمان لانا کافی نہیں۔ اب مرزا صاحب کو دیکھئے کہ وہ کس طرح انبیائے کرام کی نقالی کرتے ہوئے تمام انسانیت کو اپنے دعویٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں اور کس طرح تمام انسانیت کی نجات وفلاح کو اپنے قدموں سے وابستہ بتلاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مرزا صاحب کی سینکڑوں عبارتوں میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱:... ”چونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم اور اس وحی کو جو میرے اوپر نازل ہوتی ہے فلک یعنی کشتی کے نام موسوم کیا ہے... اب دیکھو کہ خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی اور تمام انسانوں کے لئے مدار نجات ٹھہرایا ہے۔ جس کی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سنے۔“ (اربعین نمبر۴، حاشیہ:۶)

۲:... ”ان کو کہہ میرے پاس خدا کی گواہی ہے پس کیا تم قبول کرو گے یا نہیں پھر ان کو کہہ کہ میرے پاس خدا کی گواہی ہے۔ پس کیا تم ایمان لاؤ گے یا نہیں۔“ (ترجمہ عربی الہام ”حقیقۃ الوحی“ ص:۷۱)

۳:... ”اور ایمان والوں کو خوشخبری دے کہ خدا کے حضور میں ان کا قدم صدق پر ہے۔“ (ترجمہ عربی الہام، ص:۷۴)

۴:... ”صفہ کے رہنے والے اور تو کیا جانتا ہے کہ کیا ہیں صفہ کے رہنے والے۔ تو دیکھے گا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے۔ وہ تیرے پر درود بھیجیں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے خدا ہم نے ایک منادی کرنے والے کی آواز سنی ہے جو ایمان کی طرف بلاتا ہے اور خدا کی طرف بلاتا ہے اور ایک چمکتا ہوا چراغ ہے۔“ (ترجمہ عربی الہام، ص:۷۵)

۵:... ”خدا ایسا نہیں کہ تجھ کو چھوڑ دے جب تک کہ پاک اور پلید میں فرق کرکے نہ دکھلا دے۔“ (ایضاً، ص:۷۶)

۶:... ”کہہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت رکھے۔“ (ایضاً، ص:۷۹)

۷:... ”اور جب ان کو کہا جائے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے، کہتے ہیں کیا ہم بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں، خبردار ہو کہ درحقیقت وہی لوگ بیوقوف ہیں مگر اپنی نادانی پر مطلع نہیں اور جب ان کو کہا جائے کہ زمین پر فساد مت کرو کہتے ہیں کہ بلکہ ہم اصلاح کرنے والے ہیں۔“ (ایضاً، ص:۷۹،۸۰)

۸:... ”کہہ تمہارے پاس خدا کا نور آیا ہے پس اگر مؤمن ہو تو انکار مت کرو۔“ (ایضاً، ص:۸۰)

۹:... ”کیا تو اس لئے اپنے تئیں ہلاک کرے گا کہ وہ کیوں ایمان نہیں لاتے، اس بات کے پیچھے مت پڑ جس کا تجھے علم نہیں۔ اور ان لوگوں کے بارہ میں جو ظالم ہیں مجھ سے گفتگو مت کر کیونکہ وہ سب غرق کئے جائیں گے اور ہماری آنکھوں کے روبرو کشتی تیار کر اور ہمارے اشارے سے۔“ (ایضاً، ص:۸۰)

۱۰:... ”ان کو کہہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو، تا خدا بھی تم سے محبت کرے، خدا نے چاہا ہے تا تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر شرارت کی طرف عود کرو گے تو ہم بھی عذاب دینے کی طرف عود کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنایا ہے۔“ (ایضاً، ص:۸۲)

ان تمام الہامات میں، جنہیں مرزا صاحب نے اپنی وحی کی حیثیت سے پیش کیا ہے، خاص بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات کے جملے جوڑ جوڑ کر انہیں الہام کے قالب میں ڈھالا گیا ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ جن الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیائے سابقین اپنے مخاطبوں کو ایمان کی دعوت دیتے تھے ٹھیک انہی الفاظ میں مرزا صاحب تمام دنیا کو اپنی وحی پر ایمان کی دعوت دے

رہے ہیں۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد صرف انبیائے سابقین پر ایمان لانا اور ان کی شریعت پر چلنا نجات کے لئے کافی نہیں تھا، جب تک کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت، ان کی وحی اور ان کی شریعت پر ایمان نہ لایا جائے، یا جس طرح کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آنے پر نجات صرف ان کی اتباع میں منحصر ہوگئی تھی، یا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف آوری کے بعد نجات صرف آپ کی پیروی میں منحصر ہوگئی ٹھیک اسی طرح مرزا صاحب کی وحی کا اعلان ہے:

"قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ"

ترجمہ:... "ان کو کہہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے۔" (حقیقۃ الوحی ص:۷۹، ۸۲)

ظاہر ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو دین اور اس کے اصول وفروع، مرزا صاحب کی آمد سے پہلے موجود تھے، وہی ان کی آمد کے بعد بھی موجود ہیں۔ قرآن کریم وہی ہے، احادیث کی کتابیں وہی ہیں، فقہی سرمایہ وہی ہے، کلام، عقائد، تصوف، اصول وغیرہ تمام متعلقہ علوم وہی ہیں۔ مگر اب اُمتِ محمدیہ کی نجات صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے وابستہ نہیں بلکہ اب اس کے لئے مرزا صاحب کی نبوت ورسالت، ان کی وحی اور ان کی تعلیم پر ایمان لانا اور عمل کرنا بھی شرط قرار پایا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اب قرآن کریم کی تفسیر، احادیث نبویہ اور فقہ وکلام اور تصوف وعقائد کے پیمانے بھی بدلنے ہوں گے۔ اُمتِ مسلمہ کی تیرہ صدیوں کے علماء آیت کی ایک تفسیر کریں اور مرزا صاحب اس کی کچھ اور تفسیر بتائیں تو ایمان مرزا صاحب کی تشریح وتفسیر پر ہی لانا پڑے گا۔ ساری اُمت ایک حدیث کو صحیح قرار دے اور مرزا صاحب کی "وحی" اسے غیر صحیح بتائے تو فیصلہ مرزا صاحب کا ہی مسلّم ہوگا۔ تمام عقائد کی کتابوں میں ایک عقیدہ لکھا ہو اور مرزا صاحب اس کے خلاف بتائیں تو مرزا صاحب کا بتایا ہوا عقیدہ ہی صحیح ماننا پڑے گا۔ یہ ہمارا قیاس نہیں بلکہ ان کی نبوت اور اس کے لوازم کا منطقی نتیجہ ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

"اگر ایمان اور حیا سے کام لیتے تو اس کارروائی پر نفرین کرتے جو مہر علی گولڑوی نے میرے مقابل پر کی، کیا میں نے اس کو اس لئے بلایا تھا کہ میں اس سے ایک منقولی بحث کرکے بیعت کرلوں؟ جس حالت میں میں بار بار کہتا ہوں کہ خدا نے مجھے مسیح موعود مقرر کرکے بھیجا ہے اور مجھے بتلا دیا ہے کہ فلاں حدیث سچی ہے اور فلاں جھوٹی ہے اور قرآن کے صحیح معنوں سے مجھے اطلاع بخشی ہے تو پھر میں کس بات میں اور کس غرض کے لئے ان لوگوں سے منقولی بحث کروں؟ جب کہ مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن کریم پر تو کیا انہیں مجھ سے یہ توقع ہوسکتی ہے کہ میں ان کے ظنیات بلکہ موضوعات کے ذخیرہ کو سن کر اپنے یقین کو چھوڑ دوں، جس کی حق الیقین پر بنا ہے اور وہ لوگ بھی اپنی ضد کو نہیں چھوڑ سکتے۔" (اربعین، نمبر:۴، ص:۱۹، روحانی خزائن ج:۱۷، ص:۴۵۳)

مدعا واضح ہے کہ جو اسلامی عقائد متوارث چلے آتے ہیں وہ تو "ضد" ہے اور مرزا صاحب کی "وحی" جو کچھ بتائے، وہ حق الیقین ہے۔ توریت وانجیل اور قرآن کی طرح لائق ایمان ہے۔ حدیث وقرآن کے معنی ومفہوم اور اسلامی ذخیرۂ عقائد واصول پر حَکَم اب مرزا صاحب کی ذات ہے۔ وہ جس عقیدہ وحکم کو چاہیں، باقی رکھیں یا موقوف کریں۔ خلاصہ یہ کہ جب مرزا صاحب کی پیروی میں نجات منحصر ہوگئی تو نجات کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر ایمان لانا اور آپ کے دین وشریعت پر عمل کرنا کافی نہ رہا۔ بلکہ اب مرزا صاحب کی نبوت جزو ایمان، ان کی دعوت وتعلیم شاہراہِ عمل اور ان کی پیروی کفیلِ نجات ٹھہری۔

دو فریق:

انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو خبیث وطیب چھٹ کر الگ ہوجاتے ہیں اور ان کی دعوت کو قبول کرنے یا نہ کرنے کے نتیجہ میں دو فریق وجود میں آتے ہیں۔ ایک فریق ان کی دعوت پر لبیک

داڑھی کی نورانیت

خانپور ضلع رحیم یار خان میں ایک مرتبہ جلسہ ہوا، وہاں سے حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ نور پور میں تقریر کے لئے روانہ ہوئے... احمد پور شرقیہ میں حضرت مولانا دوست محمد قریشیؒ کی گود میں سر مبارک رکھ کر سوگئے... نیند آرہی تھی... اسی دوران مولانا دوست محمد قریشیؒ نے دریافت کیا کہ: حضرت! ریش مبارک قبضہ مشت سے زیادہ کیوں ہے؟ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے آنسو جاری ہوگئے، فرمایا: "ان بالوں میں میرے پیر طریقت کے ہاتھ لگ چکے ہیں، مجھے شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں ان پر قینچی کا استعمال کروں..." آپؒ نے مزید فرمایا: "قریشی صاحب! آج کل لوگ داڑھی کی قدر نہیں کرتے، اپنے کھیتوں کی حفاظت کرتے ہیں لیکن رحمت دو عالم، امام الانبیاء، خاتم الانبیاء، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی کھیتی (داڑھی) کی حفاظت نہیں کرتے۔ اس کی قدر قیامت کے دن معلوم ہوگی جب کہ ادائے سنت کے اجر میں چہرے پر نورانیت نظر آئے گی۔"

مرسلہ: ابوانس، خوشاب

کہنے والوں کا ہوتا ہے، جنہیں مؤمن اور مسلم کہا جاتا ہے اور دوسرا فریق ان کی دعوت کو نہ ماننے والے منکروں کا، جنہیں کافر، ظالم، جہنمی اور خارج از اسلام کہا جاتا ہے۔ گویا انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے نتیجے میں انسانیت خود بخود سعادت و شقاوت کے دو خانوں میں بٹ جاتی ہے...... مرزا صاحب کے دعویٰ اور دعوت کا فطری اور منطقی نتیجہ بھی یہی ہونا چاہئے تھا اور یہی ہوا بھی کہ ان پر ایمان لانے والے ان کے نزدیک مؤمن و مسلم کہلائے اور انکار کرنے والے (معاذ اللہ) کافر، مردود اور جہنمی قرار پائے۔ مرزا صاحب یہ اصول تسلیم کرتے ہیں کہ:

۱:... ''یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعویٰ کے انکار کرنے والوں کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں، لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں، گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں، ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔'' (حاشیہ تریاق القلوب ص:۱۳۰، روحانی خزائن ج:۱۵ ص:۴۳۲)

۲:... ''ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے، اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے (دشمن سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جو ایمان نہیں لائے جیسا کہ اگلے نمبر سے واضح ہے۔ ناقل)۔'' (انجام آتھم ص:۶۲، روحانی خزائن ج:۱۱ ص:۶۲)

۳:... ''جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔'' (مرزا صاحب کا الہام مندرجہ ''تذکرہ'' ص:۳۳۳ طبع دوم، ص:۳۳۶ طبع چہارم)

۴:... ''سوال (۶) حضور عالی نے ہزاروں جگہ تحریر فرمایا ہے کہ کلمہ گو اور اہل قبلہ کو کافر کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ علاوہ ان مؤمنوں کے جو آپ کی تکفیر کرکے کافر بن جائیں، صرف آپ کے نہ ماننے سے کوئی کافر نہیں ہوسکتا۔ لیکن عبدالحکیم خان کو آپ لکھتے ہیں کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے، اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا، وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس بیان اور پہلی کتابوں کے بیان میں تناقض ہے۔'' (حقیقۃ الوحی، ص:۱۶۳، روحانی خزائن ج:۲۲ ص:۱۶۷)

۵:... ''الجواب: یہ عجیب بات ہے کہ آپ کافر کہنے والے اور نہ ماننے والے کو دو قسم کے انسان ٹھہراتے ہیں حالانکہ خدا کے نزدیک ایک ہی قسم ہے کیونکہ جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ اسی وجہ سے نہیں مانتا کہ وہ مجھے مفتری قرار دیتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا پر افترا کرنے والا سب کافروں سے بڑھ کر کافر ہے۔'' (حقیقۃ الوحی، ص:۱۶۳، روحانی خزائن ج:۲۲ ص:۱۶۷)

۶:... ''جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا کیونکہ میری نسبت خدا اور رسول کی پیش گوئی موجود ہے۔'' (ایضاً ص:۱۶۳)

۷:... ''بلاشبہ وہ شخص جو خدا تعالیٰ کے کلام کی تکذیب کرتا ہے، کافر ہے۔ سو جو شخص مجھے نہیں مانتا، وہ مجھے مفتری قرار دے کر مجھے کافر ٹھہراتا ہے۔ اس لئے میری تکفیر کی وجہ سے آپ کافر بنتا ہے۔'' (ایضاً حاشیہ ص:۱۶۳)

۸:... ''جو شخص خدا اور رسول کے بیان کو نہیں مانتا اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اور عمداً خدا تعالیٰ کے نشانوں کو رد کرتا ہے اور مجھ کو باوجود صدہا نشانوں کے مفتری ٹھہراتا ہے تو وہ مؤمن کیونکر ہوسکتا ہے اور اگر وہ مؤمن ہے تو میں بوجہ افترا کرنے کے کافر ٹھہرا۔ کیونکہ میں ان کی نظر میں مفتری ہوں۔'' (ایضاً ص:۱۶۴، روحانی خزائن ج:۲۲ ص:۱۶۸)

۹:... ''کافر کو مؤمن قرار دینے سے

سالانہ ختم نبوت کانفرنس پنو عاقل کی کامیابی پر اظہار تشکر

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پنو عاقل کے امیر مولانا خلیل الرحمٰن انڈھڑ نے گزشتہ دنوں پنو عاقل میں منعقدہ ہونے والی سالانہ ختم نبوت کانفرنس کو کامیاب بنانے پر معزز مہمانان علماء کرام، کارکنان ختم نبوت اور اہل علاقہ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا ہے اور امید ظاہر کی ہے کہ آئندہ بھی مجلس کی دعوت پر علماء کرام اور عوام الناس بھرپور شرکت کریں گے۔ یاد رہے کہ اس کانفرنس میں حافظ عبدالغفار اسعدی نے اسٹیج سیکریٹری کے فرائض سرانجام دیئے تھے جبکہ علماء کرام کے اعزاز میں حافظ محمد ایاز شیخ نے عشائیہ دیا۔ کانفرنس کو کامیاب کرنے کے لئے قاری عبدالقادر چاچڑ، حافظ عبدالغفار شیخ، غلام شبیر شیخ، پیر عبدالحنان، مولانا اظہر حسین حسینی، حافظ محمد ایاز شیخ، مولانا محمد جاوید، حافظ عبدالقدیر شیخ، مولانا محمد حسن جتوئی، خالد حسین شیخ، نذیر احمد شیخ، قاری حماد اللہ عبیدی، ماسٹر عبدالرحمٰن، ماسٹر محمد بلال، استاذ محمد نواز بھٹو و دیگر حضرات نے بھرپور محنت کی اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ کانفرنس رات دو بجے کے قریب مولانا غلام اللہ بالیجوی کی دعا کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی تھی۔

انسان کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص درحقیقت کافر ہے، وہ اس کے کفر کی نفی کرتا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ جس قدر لوگ میرے پر ایمان نہیں لاتے، وہ سب کے سب ایسے ہیں کہ ان تمام لوگوں کو وہ مؤمن جانتے ہیں جنہوں نے مجھ کو کافر ٹھہرایا ہے۔ میں اب بھی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتا لیکن جن میں خود انہیں کے ہاتھ سے وجہ کفر پیدا ہوگئی ہے، ان کو کیوں کر مؤمن کہہ سکتا ہوں۔“ (ایضاً ص:۱۶۵ حاشیہ، روحانی خزائن ج:۲۲ ص:۱۶۹)

مرزا صاحب کی اس تمام تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے مرزا کو ان کے دعویٔ نبوت کی وجہ سے خارج از اسلام قرار دیا، وہ تکفیر کی وجہ سے کافر ہوئے۔ اور جن لوگوں نے مرزا صاحب کو قبول نہیں کیا اور ان پر ایمان نہیں لائے، وہ ان ”کافروں“ کو کافر نہ کہنے کی وجہ سے کافر ہوئے۔ بس اب اہل قبلہ صرف وہ لوگ ہیں جو مرزا صاحب کی تصدیق کرتے ہیں۔ لطیفہ یہ ہے کہ لاہوری فرقہ جو مرزا صاحب کے نہ ماننے والوں کو مسلمان کہتا ہے، وہ بھی مرزا صاحب کے اس فتویٰ کی رو سے ”کافروں“ کو مسلمان سمجھنے کی بنا پر کافر قرار پاتا ہے۔

۱۰:... ”چونکہ میں مسیح موعود ہوں اور خدا نے عام طور پر میرے لئے آسمان سے نشان ظاہر کئے ہیں، پس جس شخص پر میرے مسیح موعود ہونے کے بارہ میں خدا کے نزدیک اتمام حجت ہوچکا ہے اور میرے دعوے پر وہ اطلاع پاچکا ہے، وہ قابل مؤاخذہ ہوگا۔“ (ایضاً ص:۱۷۸، روحانی خزائن ج:۲۲ ص:۱۸۴)

۱۱:... ”خدا کے نزدیک جس پر اتمام حجت ہوچکا ہے اور خدا کے نزدیک جو منکر ٹھہر چکا ہے، وہ مؤاخذہ کے لائق ہوگا۔ ہاں چونکہ شریعت کی بنیاد ظاہر پر ہے، اس لئے ہم منکر کو مؤمن نہیں کہہ سکتے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مؤاخذہ سے بری ہے اور کافر منکر کو ہی کہتے ہیں کیونکہ کافر کا لفظ مؤمن کے مقابل پر ہے۔“ (ایضاً ص:۱۷۹، روحانی خزائن ج:۲۲ ص:۱۸۵)

۱۲:... ”اور کفر دو قسم پر ہے (اوّل) ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ (دوم) دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کے باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے۔ جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے، کافر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔“ (ایضاً ص:۱۷۹، روحانی خزائن ج:۲۲ ص:۱۸۵)

اس استدلال کا حاصل یہ ہے کہ مرزا صاحب کو نہ ماننے والے ان کے خیال میں دراصل خدا ورسول کے منکر ہیں لہٰذا ان کے کفر میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

۱۳:... ”اس میں شک نہیں کہ جس پر خدا تعالیٰ کے نزدیک اوّل قسم کفر یا دوسری قسم کفر کی نسبت اتمام حجت ہوچکا ہے، وہ قیامت کے دن مؤاخذہ کے لائق ہوگا اور جس پر خدا کے نزدیک اتمام حجت نہیں ہوا اور وہ مکذب اور منکر ہے تو گو شریعت نے (جس کی بنا ظاہر پر ہے) اس کا نام بھی کافر ہی رکھا ہے اور ہم بھی اس کو باتباع شریعت کافر کے نام سے ہی پکارتے ہیں مگر پھر بھی وہ خدا کے نزدیک بموجب آیت لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا قابل مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ ہاں ہم اس بات کے مجاز نہیں ہیں کہ ہم اس کی نسبت نجات کا حکم دیں۔ اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے ہمیں اس میں دخل نہیں۔“ (ایضاً ص:۱۸۰، ایضاً ج:۲۲ ص:۱۸۶)

اس تقریر کا حاصل یہ ہے کہ مرزا صاحب کا انکار دنیوی احکام کے لحاظ سے تو بہرحال کفر ہے اور اخروی لحاظ سے بھی وہ اسے کافر کہنے ہی کے پابند ہیں۔ البتہ یہ خدا کو علم ہے کہ اس پر ٹھیک طرح اتمام حجت ہوا یا نہیں؟ اور وہ اس انکار میں معذور تھا یا نہیں؟ معذور تھا تو قابل مؤاخذہ نہیں ہوگا لیکن یہ بہرحال خدا کے ساتھ معاملہ ہے۔ ہمارا جہاں تک تعلق ہے، ہم ہر ایک نہ ماننے والے کو کافر ہی کہیں اور سمجھیں گے۔ یہ ٹھیک وہی اصول ہے جو انبیاء علیہم السلام کے نہ ماننے والوں پر جاری ہوتا ہے۔ (جاری ہے)

سانحہ ارتحال

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پنوعاقل کے روح رواں حافظ محمد ایاز شیخ کے والد گرامی اچانک دل کا دورہ پڑنے سے انتقال فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم صوم وصلوٰۃ کے پابند اور علماء کرام سے محبت کرنے والے انسان تھے۔ عرصہ دراز سے ختم نبوت کانفرنس کے موقع پر علماء کرام وحضرت امیر مرکزیہ کا قیام اُن کے گھر پر ہوتا تھا۔ مرحوم بڑی خندہ پیشانی سے علماء کرام کا پُرتکلف اکرام کرتے تھے۔ ختم نبوت کانفرنس پنوعاقل کے موقع پر حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ، مولانا محمد حسین ناصر، مولانا عبداللطیف اشرفی، حافظ محمد امیر معاویہ نے ان کے گھر ان کے بیٹے محمد ایاز شیخ سے تعزیت کی اور مرحوم کی بلندیٔ درجات کے لئے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

تحریک ختم نبوت کے عظیم مجاہد

مولوی فقیر محمد مرحوم

احمد جمال نظامی

مولوی فقیر محمد مرحوم کی ۷ ارمارچ کو پہلی برسی منائی گئی وہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات تھے اور گزشتہ برس طویل علالت کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ مذہبی حلقے ان کو خراج تحسین پیش کررہے ہیں کہ وہ ایسی شخصیت کے مالک تھے جنہوں نے ساری زندگی قادیانیوں کے خلاف اپنے آپ کو جھکنے نہ دیا۔ ان کی شخصیت میں صرف زبر تھا زیر کبھی نہیں آیا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم سے قادیانیوں کے خلاف جہاد کرنے کے ساتھ وہ معاشرے سے فحاشی کے سدباب کے لئے ''انجمن اصلاح نوجوانان اسلام'' کے صدر کی حیثیت سے بھی برسرپیکار رہے، اسی طرح بلدیاتی مسائل کے حل کے لئے وہ فیصل آباد شہر میں سیٹلائٹ ٹاؤن پبلک سوسائٹی کے جنرل سیکریٹری کی حیثیت سے بھی کردار ادا کرتے رہے۔ پاکستان کی قومی اسمبلی نے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تھا۔ اس مقصد کے لئے بڑی بڑی تحریکیں چلائی گئیں جس میں مطالبہ کیا جاتا رہا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، قادیانیوں کو تمام سرکاری عہدوں سے الگ کیا جائے، ربوہ حال چناب نگر کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔ اس طرح ۷ ستمبر کا دن عالم اسلام اور پاکستان کی تاریخ میں اہم تاریخی یوم فتح قرار دیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں سب سے بڑی تحریک ختم نبوت ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء سے شروع کی گئی، اس دن قادیانی جماعت ربوہ کی کمانڈو تنظیم خدام الاحمدیہ کے شدت پسندوں نے آنجہانی مرزا طاہر قادیانی کی ہدایت کے مطابق چناب نگر ریلوے اسٹیشن سابقہ ربوہ پر نشتر میڈیکل کالج ملتان کے مسلمان طلباء پر تفریحی ٹور سے واپسی پر چناب ایکسپریس سے چناب نگر ریلوے اسٹیشن پر پہنچنے کے بعد ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگانے کی پاداش میں حملہ کردیا، جس کی اطلاع فیصل آباد میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے راہنما مولانا تاج محمودؒ اور مولوی فقیر محمدؒ کو پہنچی۔ یہ حضرات چناب ایکسپریس فیصل آباد ریلوے اسٹیشن پر پہنچنے سے قبل پہنچ گئے تھے اور مولوی فقیر محمد نے ریلوے اسٹیشن کے باہر سابق آر ایم ایس کے دفتر سے فون کے ذریعہ فیصل آباد کے ہر طبقہ کے لوگوں کو اطلاع دی، جن میں علماء، طلباء، تاجر، اخبار نویس نمایاں تھے۔ ریلوے اسٹیشن پر پہنچنے کی درخواست کی، طلبہ کو زدوکوب کرنے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی اور فیصل آباد کے غیور شہریوں کا ایک جم غفیر اکٹھا ہوگیا۔ ضلعی انتظامیہ کے حکام بھی پہنچ چکے تھے۔ جوں ہی گاڑی فیصل آباد ریلوے اسٹیشن پر پہنچی بے ہوش زخمی طلباء کو گاڑی سے باہر نکالا گیا اور ریلوے پلیٹ فارم پر ہی طلبا کو فرسٹ ایڈ دی گئی۔ مولوی فقیر محمدؒ کی تحریک پر مولانا تاج محمودؒ نے ریلوے پلیٹ فارم پر تقریر کرتے ہوئے طلبا کو یقین دلایا کہ ان کے خون کے ایک ایک قطرہ کا حساب لیا جائے گا اور تحریک چلائی جائے گی چناب ایکسپریس دو گھنٹہ تک ریلوے اسٹیشن پر کھڑی رہی روانگی کے بعد گوجرہ، ٹوبہ، خانیوال اور ملتان کے علماء کرام کو فون کے ذریعہ اطلاع دی گئی اور اس واقعہ کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ریلوے اسٹیشن پر پہنچنے کی اپیل کی گئی اور ملک کے تمام بڑے بڑے علماء کرام کو طلبا پر قادیانیوں کے ظلم سے آگاہ کیا گیا۔ شام کو پریس کانفرنس ہوئی، شہر کے تمام علماء کرام شامل ہوئے اور ہڑتال ہوئی شہر کے تمام علماء کرام نے خود ہی نگرانی کی جبکہ قادیانیوں نے کچھ دکانوں، مکانوں سے اپنا سامان باہر رکھ کر آگ لگانے کا ڈرامہ رچایا، جو کہ انشورنس کمپنی سے بیمہ شدہ تھا، اس کے بعد مجلس عمل تحفظ ختم نبوت قائم کی گئی، جس کے سربراہ حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ تھے ملک میں ختم نبوت تحریک اس منصوبہ بندی اور حکمت عملی سے چلائی گئی کہ سارا ملک سراپا احتجاج بن گیا۔ حکومت نے ہمدانی کمیشن قائم کیا، جس نے اس واقعہ کی تحقیقات کی اور قادیانی جماعت کے اس وقت کے سربراہ مرزا ناصر احمد قادیانی نے ہمدانی کمیشن میں جھوٹی درخواست دی کہ سب کچھ مولوی فقیر محمد کی وجہ سے ہوا جس پر اس وقت کے ڈپٹی کمشنر اور ایس پی فیصل آباد کو طلب کیا گیا انہوں نے مرزا ناصر قادیانی کی درخواست کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔ اس کے بعد قومی اسمبلی کو انکوائری کمیٹی میں تبدیل کردیا گیا اور مرزائی/لاہوری پارٹی کے سربراہ پر جرح کی گئی، اس کے بعد قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد پر گیارہ روز تک جرح ہوتی رہی، آخر میں ایک سوال پر مرزا ناصر احمد نے کہا کہ جو شخص مرزا غلام احمد قادیانی کو

نبی نہیں مانتا وہ کافر ہے اس کے بعد قومی اسمبلی نے متفقہ قرارداد پاس کی جس پر ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو اس وقت کے وزیر اعظم بھٹو نے آئین میں ترمیم کرکے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا اور ربوہ کو کھلا شہر بنادیا گیا، مگر اس آئینی ترمیم پر قانون سازی نہ ہوئی جبکہ ۱۹۸۴ء میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے دوسری تحریک پر جنرل ضیاء الحق نے ۲۶ر اپریل ۱۹۸۴ء کو امتناع قادیانیت آرڈی نینس جاری کرکے قادیانیت کی تبلیغ و تشہیر خود کو مسلمان ظاہر کرنے اور شعائر اسلام استعمال کرنے کو جرم قرار دلایا، جس کی سزا تین سال قید با مشقت جرمانہ مقرر کی گئی، جس کے بعد قادیانیوں کے سابق سربراہ آنجہانی مرزا طاہر قادیانی یکم مئی ۱۹۸۴ء کو بھیس بدل کر بھاگ کر لندن جا پہنچا اور انگریز کے پاس پناہ حاصل کی اور اپنا ہیڈ کوارٹر چناب نگر سے لندن منتقل کرلیا۔ ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے کے بعد محکمہ ہاؤسنگ سرکل فیصل آباد نے مولوی فقیر محمد کی تحریری درخواست پر چناب نگر میں ۱۵۰ ایکڑ رقبہ پر رہائشی اسکیم تیار کی، جس میں ۱۲۹ ایکڑ اراضی قادیانیوں صدر انجمن احمدیہ چناب نگر سے حاصل کی گئی اور وہاں مسلمانوں کو آباد کیا گیا اور اس بستی کا نام مسلم کالونی رکھا گیا۔ اس مسلم کالونی میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے ۹ کنال رقبہ پر مختص پلاٹ برائے جامع مسجد پر ختم نبوت عالیشان مسجد تیار کی جہاں ہر سال سالانہ ختم نبوت کانفرنس ہوتی ہے۔ اس مسجد کا مینار چناب نگر میں سب سے بلند ہے۔ ربوہ کا نام تبدیل کرکے (نیا قادیان) نواں قادیان رکھا گیا، جس پر سخت احتجاج کیا گیا اور مولوی فقیر محمد کی تحریری درخواست اور یادداشت پر اس کا نام چناب نگر رکھا گیا۔ مولوی فقیر محمد کی پہلی برسی پر انہیں مذہبی، سماجی، عوامی، صحافتی اور ہر حلقہ سے تعلق رکھنے والے افراد انہیں یاد کرکے خراج تحسین پیش کر رہے ہیں اور تقاضا کر رہے ہیں کہ قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی سرکوبی کے لئے علماء کرام ان جیسا شاندار اور تاریخی کردار ادا کریں۔ آخر عقیدۂ ختم نبوت ہر مسلمان کے ایمان کا بنیادی اور کلیدی جزو ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت کراچی، ۱۷ر مارچ ۲۰۱۳ء)

ختم نبوت زندہ باد

☆......نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ زید بن خارجہؓ انصار کے سرداروں میں سے تھے، ایک دن وہ ظہر و عصر کے درمیان مدینہ کے کسی راستہ پر جا رہے تھے کہ یکایک گرے اور فوراً خالق حقیقی سے جا ملے۔ انصار کو اس واقعہ کی خبر ہوئی، وہ آئے اور انہیں اٹھا کر گھر لے گئے، ایک کمبل اور دو چادروں سے ان کو ڈھانک دیا، گھر میں عورتیں ان پر رو رہی تھیں، مغرب کے بعد اچانک ایک غیبی آواز آئی: ''خاموش رہو، خاموش رہو'' ادھر ادھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ آواز ان کپڑوں کے نیچے سے آرہی ہے، جس میں میت ہے، لوگوں نے ان کا منہ اور سینہ کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ کوئی غیبی شخص ان کی زبان سے کہہ رہا ہے: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی امی اور خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا، یہ تورات اور انجیل میں موجود ہے۔ سچ ہے، سچ ہے۔ (ترجمان السنۃ)

☆......حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمام رسولوں کا رہبر ہوں اور کوئی فخر نہیں اور میں تمام انبیاء کا ختم کرنے والا ہوں اور کوئی فخر نہیں اور میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور میں مقبول الشفاعت ہوں اور کوئی فخر نہیں۔

(مشکوٰۃ عن الدارمی)

☆......مولانا مفتی محمودؒ نے ختم نبوت کے لئے خوب کام کیا، وفات کے بعد کسی نے انہیں خواب میں دیکھا، سوال کیا: سنایئے! کیسی گزری؟ حضرت نے جواب دیا: ساری زندگی قرآن و حدیث کی تعلیم میں گزری، ملک میں اسلامی نظام کے لئے جدوجہد کی۔ اللہ کے ہاں مقبول ہوئیں مگر نجات اس محنت کی وجہ سے ہوئی جو قومی اسمبلی میں ختم نبوت کے لئے کی تھی، ختم نبوت کے صدقے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بخشش فرمادی۔ (بروایت مولانا اللہ وسایا مدظلہ)

☆......عقیدہ ختم نبوت اسلام کی اساس ہے، یہی وہ بنیادی پتھر ہے جس پر دین اسلام کی عمارت کھڑی ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو جسدِ اسلام کی روح ہے۔ اس عقیدہ کی اہمیت و نزاکت کی وجہ سے مسلمان ہر عہد میں تحفظ ختم نبوت کے لئے بڑے حساس اور چوکس رہے ہیں۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جب بھی کسی کمینہ خصلت نے تاج و تخت ختم نبوت پر ڈاکا زنی کی ناپاک جسارت کی، غیور مسلمانوں کی تلواریں اللہ تعالیٰ کا انتقام بن کر اس کی طرف لپکیں اور اسے جہنم واصل کردیا۔ مسلمانوں کی تاریخ ختم نبوت کے محافظوں کی قربانیوں سے بھری پڑی ہے، وقت نے جب بھی انہیں پکارا وہ لبیک لبیک کی صدائیں دیتے آئے اور اپنی جانیں نچھاور کردیں۔ تاریخ کے اوراق پر شہدائے ختم نبوت کے خون کی چمک رشک خورشید و قمر ہے۔

مولانا محمد اسلم نفیس، خوشاب

سلام زندہ باد

فرما گئے یہ ہادی لا نبی بعدی

تاجدار ختم نبوت زندہ باد

خواجہ خان محمد صاحب

استاذ المحدثین شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر

حضرت سید نفیس الحسینی

تاریخی عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس

مِنی اسٹیڈیم شیخوپورہ روڈ گوجرانوالہ

شمع ختم نبوت کے پروانوں سے شرکت کی درخواست ہے

27 اپریل 2013 بروز ہفتہ بعد از نماز مغرب

حکیم العصر محدث کبیر ولی کامل مخدوم العلماء

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانوی صاحب دامت برکاتہم

امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

استاذ المحدثین حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

یادگار اسلاف حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری صاحب دامت برکاتہم

مرکزی ناظم اعلیٰ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضرت مولانا ولی ابن ولی صاحبزادہ خواجہ عزیز احمد صاحب مدظلہ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

ملک کے جید علماء، مشائخ، عظام اور مذہبی و سیاسی جماعتوں کے قائدین، دانشور اور قانون دان خطاب فرمائیں گے۔

شعبہ نشر و اشاعت عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت گوجرانوالہ

055-4294656
055-4215663
0302-5152137
0300-4304277
0333-8124047
0300-7465445